اور ترمیم کی ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں کو بھی اُن اعضاء میں داخل کر لیا جن کے چھپانے کا وجوبت حکم دیا گیا تھا۔ مگر یہ ضابطہ بھی کلی نہیں معلوم ہوتا اور سیکڑوں خاندانوں میں ہم خالہ زاد بھائی بہنوں اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد بھائی بہنوں میں پردہ نہیں پاتے۔ ایک اور ترمیم حکم شریعت میں یہ ہوئی ہے جو سب سے عجیب اور بہت ہی بیہودہ ہے کہ بہو کا پردہ خسر سے کر لیا جاتا ہے تیسری ترمیم حکم شریعت میں یہ ہوئی ہے کہ پہلی ترمیم میں جس کے بموجب شوہر کا بھائی ایسا رشتہ دار قرار پاتا تھا جس سے پردہ لازم ہے یہ استثناء کیا ہے کہ شوہر کا چھوٹا بھائی اس حکم کی پابندی سے معاف ہے۔

بیماری کی حالت میں مستورات کو پردہ کی وجہ سے اور بھی مشکلات واقع ہوتی ہیں۔ اور اس کی حفاظت میں جانِ عزیز کا تلف کر دینا تمغائے شرافت سمجھا جاتا ہے۔ جب کسی مریضہ کو دیکھنے کے لئے یعنی صرف نبض دیکھنے کے لئے حکیم آتا ہے تو بڑے سے بڑے لحاف کی موٹی تہ مریضہ کے پردہ کے لئے کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ مزید احتیاط کے لئے مریضہ کے پلنگ کے محاذی ایک چادر تانی جاتی ہے اور معالج اُس چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر مریضہ کی نبض ٹٹولتا ہے۔ **لطیفہ**۔ ایک ہمارے دوست حسین بیوی رکھتے تھے۔ اُس بیچاری کے ہاتھ کی پشت پر رسولی نکل آئی۔ اور ضرور ہوا کہ ہاتھ ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔ ہمارے دوست کو اس قدر فکر رسولی کے مرض کا نہ تھا جس قدر یہ فکر تھا کہ اُن کی بیوی کے حسین ہاتھ پر ڈاکٹر کی نظر پڑیگی۔ ہم نے اُن کو اس فکر میں غلطاں و پیچاں پا کر اُن کو یہ تجویز بتائی کہ مقام ماؤف کے سوا باقی کل ہاتھ پہونچے تک نیل یا سیاہی میں رنگ دیا جائے۔ مگر ہمارے دوست نے اس کو تمسخر سمجھ کر بہت بُرا مانا۔

سینہ کے امراض مثلاً دق یا سل میں جو عموماً مستورات کو زیادہ ہوتے ہیں اور مہلک ہیں سینہ کا

امتحان ایک امر لابد ہے جس کو بہت ہی کم شرفا گوارا کرتے ہیں۔

ستر شرعی کے باب میں بھی احکام شریعت کا پاس بالکل اٹھ گیا ہے اور سوائے معدودے چند متقی خاندانوں کے لباس بلحاظ قطع ایسا چھوٹا یا تنگ ہوتا ہے جو ستر شرعی کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اس کے لئے عموماً کپڑا بھی ایسا استعمال کیا جاتا ہے جو اُن کے جسم سے وہ ہی نسبت رکھتا ہے جو ٹریسنگ کلاتھ نقشہ یا تصویر سے رکھتا ہے۔ غرض پردہ ستر اور حجاب دونو حیثیت سے اصلاح طلب ہے۔ ہماری رائے میں ستر اور حجاب میں جو اصلاحیں فی الحال عمل میں آنی ضروری ہیں اُن کے لئے تجاویز مندرجہ ذیل قابل غور ہیں:-

۱- جو عورات بڑے پائینچے کے پاجامے پہنیں اُن کو لازم ہے کہ گھٹنوں تک کی جرابیں پہنیں۔

۲- کرتی کم از کم اس قدر لمبی ہونی چاہئے کہ نیفہ کو بالکل ڈھک لے اور کسی حالت میں شکم ظاہر نہ ہونے پائے۔

۳- کرتی یا تو ایسے کپڑے کی ہو کہ اس میں سے بدن نظر نہ آسکے یا اگر باریک کپڑے یا ریشم کی ہو تو اُس کے نیچے جسم چھپانے کے لئے بدن سے چسپاں اور صدری یا بنیان ہونی چاہئے۔

۴- کرتوں کی آستینیں ایسی ہونی چاہئیں جس سے جسم کی صورت نہ معلوم ہو سکے۔

۵- جن عورات کو چھوٹی آستین کی کرتیوں کی عادت ہے اُن کو چاہئے کہ ایسی نیم آستین کرتیاں لمبے آستین کے کرتوں یا قمیصوں پر پہنیں۔

۶- کرتوں اور صدریوں کے گریباں بند ہونے چاہئیں اور اُن کے ایسے گلوبند ہوں جن سے گردن چھپی رہے۔

۷- کمر بند کا لٹکتا نظر آنا سخت بے تمیزی اور بے حیائی ہے +

۸- کمر بند میں کنجیوں کا گچھا یا بٹوا ہونا اور کنجیوں اور بٹوے کی ہر ضرورت پر کمر بند کی طرف ہاتھ لے جانا سخت گنوار پن ہے +

۹- بجائے بھدی اور گھیتلی جوتی کے جن کا دیہات وقصبات میں عام رواج ہے سلیم شاہی جوتی یا انگریزی گرگابی مع موزہ پہننا زیادہ آرام کی بات ہے +

۱۰- جو صاحب ہماری رائے سے اتفاق رکھتے ہوں جس شہر میں جتنے ہوں وہ اپنی ایک خاص جمعیت بغرض اصلاح حالت مستورات اہل اسلام ہند بنائیں - اور اُن کی مجالس میں اُن کے ہمراہ اُن کی بیبیاں بھی شامل ہوا کریں جو حسب مرضی اُن صاحبان کے لباس شرعی میں ملبوس ہوں یا کسی ایسے لباس میں جو وہ اس موقع کے لئے قرار دیں - یہ فی الحال سب سے اعلیٰ درجہ کی اصلاح متصور ہوگی +

۱۱- اس سے اُتر کر ایک اوسط درجہ کی اصلاح ہونی چاہئے - وہ یہ ہوگی کہ مرد بضرورت درستی صحت مستورات کو نقاب یا برقع پہنا کر اپنے ہمراہ ہواخوری کے لئے باہر لے جانے کا دستور قایم کریں اور خرید و فروخت کے ایسے معاملات میں بھی جو خاص عورتوں کی پسند کے بموجب ہوتے ہیں اور خدمتگاروں کو بیسیوں پھیرے کرنے پڑتے ہیں مستورات کو برقع اوڑھ کر اپنے کسی عزیز کے ہمراہ بازار جانے میں کچھ عیب نہیں ہونا چاہئے - یہ امر خاص کر عورتوں کو اپنے لباس کے لئے پارچہ خرید کرنے میں جس کے لئے بار بار بے شمار تھان گھر پر لا کر دکھانے پڑتے ہیں و نیز دیگر ضروری اشیاء خانہ داری کی خرید میں بہت مفید ہوگا +

۱۲۔ موقعہ بیماری پر جب عورت کے کسی حصہ جسم کا طبیب کو دکھانا ضرور ہو تو صرف اُس قدر حصہ کا جس کے ملاحظہ کی اشد ضرورت ہو مناسب طریق سے روا رکھا جائے جیسا کہ تمام کتب فقہ سے اس امر کا جواز ثابت ہے ؛

۱۳۔ خدمتگاروں اور دوکانداروں کے ہمراہ برقع اوڑھ کر گفتگو کرنا معیوب نہ سمجھا جاوے۔ گو شریعت نے باستثناے چہرہ کل جسم کو چھپا کر جملہ غیر محرم اشخاص کے روبرو ہونے کی اجازت دی ہے لیکن ہم فی الحال بلحاظ مصلحت زمانہ اس وسیع دایرہ کو کسی قدر تنگ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم اُن رشتہ داروں کی فہرست دیتے ہیں جن سے بلحاظ یگانگت و عزیزداری پردہ کرنے میں سخت ہرج اور تکلیف ہے اور یہ امر باعث قطع محبت و کمی ہمدردی ہوتا ہے ان رشتہ داروں میں کوئی پردہ سواے شرعی پردہ کے جس کی تفصیل اوپر گذری نہیں ہونا چاہئے۔

(الف)۔ کسی عورت کا پردہ اپنے چچازاد بھائی۔ یا پھوپھی زاد بھائی۔ یا ماموں زاد بھائی یا خالہ زاد بھائی سے نہیں ہونا چاہئے ؛

(ب)۔ کسی عورت کا پردہ اپنے حقیقی خُسر یا چچیا خُسر یا پھُپھیا خُسر یا ممیا خُسر یا خلیا خسر سے نہیں ہونا چاہئے۔ یعنے شوہر کے باپ یا شوہر کے چچا یا شوہر کے پھوپھا یا شوہر کے ماموں یا شوہر کے خالو کے روبرو ہونے میں بالکل عیب متصور نہیں ہونا چاہئے ؛

ج) کسی عورت کا پردہ اپنے شوہر کے حقیقی بھائی یا چچازاد بھائی یا پھوپھی زاد بھائی یا خالہ زاد بھائی یا ماموں زاد بھائی سے نہیں ہونا چاہئے ؛

(۴) ساس اور ساس کی بہنوں کا پردہ داماد سے نہیں ہونا چاہئے *

(۵) سالی کا پردہ بہنوئی سے نہیں ہونا چاہئے *

نکاح

جبکہ عورتوں کے حقوق کا مردوں کے حقوق کے برابر ہونا اور اُن کی تعلیم کی ضرورت اور احکام پردہ کا بیان ہو چکا تو مناسب ہے کہ اب ہم نکاح کے متعلق چند ضروری امور بیان کریں *

نکاح مرد اور عورت کی زندگی میں ایک بڑا بھاری انقلاب ہے اور متاہلانہ زندگی بالکل ایک عجیب نئی قسم کی زندگی ہے جس کی نسبت کسی طرح کا قیاس اس قسم کی زندگی کا تجربہ کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ عورت اور مرد کے پیدا ہونے کی جو علت غائی ہے اُس کا حصول نکاح سے ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ علت غائی حفظِ نوع ہے۔ انسان کے سوا جس قدر اور حیوانات ہیں اُن میں بھی نر اور مادہ کا پیدا کیا جانا بقاءِ نسل کے لئے ہے مگر اُن میں اور انسان میں جس کو عقل و تمیز سے مشرف کیا گیا ہے ایک یہ فرق عظیم ہے کہ دیگر حیوانات کے بچے پیدا ہو کر ایسے بے بس اور والدین کی مدد کے محتاج نہیں ہوتے جس قدر انسان کا بچہ ہوتا ہے۔ انسان کا بچہ کئی سال کے عرصہ تک والدین کی پرورش کا محتاج اور محض بے بس اور اَور حیوانات سے بھی کم عقل ہوتا ہے۔ انسان کے بچہ کی پرورش محال ہوتی اگر نوع انسان میں سے ہر ایک مرد کسی نہ کسی عورت کو مدت العمر کے لئے اپنے لئے مخصوص نہ کر لیتا اور نیز تا وقتیکہ وہ مخصوص کردہ شدہ عورت اُس مرد کے لئے حقیقی غمخوار اور مونسِ غمگسار اور شریک غم و راحت نہ بن جاتی کسی مرد کا

کسی عورت کو اس طرح دوام کے لئے علے الاعلان مخصوص کرنا عرف شرع میں نکاح کہلاتا ہے
مرد اور عورت میں حقیقی اُنس و شفقت کا ہونا اور باہم ایک دوسرے کا غمخوار و غمگسار بننا اصلی
مقصد نکاح یعنے حفظ نوع انسان کی تکمیل کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ وہ بجائے لوازمِ مقصد
اصلی متصور ہونے کے بمنزلہ ایک جداگانہ مقصد نکاح کے سمجھا جاتا ہے۔ پس اس طرح پر نکاح کے
گویا دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک بقائے نسلِ انسان۔ دوم زندگی بھر کے لئے ایک مونس شفیق و
ہمدرد مخلص منتخب کر لینا۔ اور نکاح کا کامل یا ناقص ہونا اسی امر پر موقوف ہے کہ جو نکاح کے
اصلی اغراض ہیں وہ کس حد تک پورے ہوتے ہیں۔ اس لئے نکاح کے کامل اور مفید ہونے
کے لئے ضرور ہے کہ وہ سب شرایط جن سے اغراض نکاح کا حصول باحسن الوجوہ ہوتا ہو پورے
کئے جائیں۔ جس قدر ان شرایط کے پورا ہونے میں کوتاہی ہوگی اُسی قدر نقص نکاح میں باقی رہیگا۔
پہلے مقصد کے حصول کے لئے فریقین ازدواج کی صحت کا عمدہ ہونا اور ایک خاص حد عمر کو
پہنچ جانا ضروری ہے کیونکہ ایسے فریقین ازدواج کی اولاد جن کے قویٰ جسمانی اپنے پورے درجہ
نشو و نما تک نہیں پہنچے بجائے اس کے کہ موجب بقائے نسلِ انسان ہو بوجہ نسل ناقص ہونے کے
موجب فنائے نسل انسان ہوتی ہے۔ دوسرے مقصد کے حصول کے لئے بھی فریقین ازدواج
کا ایسی عمر کو پہنچ جانا ضرور ہے کہ وہ اس دوامی معاہدہ کی وقعت اور اُس کے فرایض کی جوابدہی
اور اُس کے اہم نتائج کو سمجھ سکتے ہوں اور اُن کے اس انتخاب میں بجز مشورہ مشفقانہ اور نصیحت
بزرگانہ کے کوئی ایسا امر وقوع میں نہیں آنا چاہئے جو اُن کی آزادی رائے کو دبا کر جبرًا ایسا
تعلق پیدا کرنے کی طرف مائل کرے جو حقیقت میں اُن کو ناپسند ہو یا جس کی طرف اُن کو پوری

دلی رغبت نہ ہو۔ اس حد عمر کو عرف شرع میں بلوغ اور اس آزادی کو ایجاب وقبول سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اہل اسلام ہندوستان میں جو نکاح عمل میں آتے ہیں اُن سے یہ اصلی اغراض نکاح حاصل ہوتی ہیں یا نہیں ٭

نسبت امر اوّل ہم اہل اسلام ہندوستان کی حالت نہایت قابل افسوس پاتے ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں کہ اُنھوں نے کوئی عام حد عمر نکاح مقرر نہیں کی بابت صغر سنی میں نکاح کیا جاتا ہے بلکہ دودھ پیتے بچوں اور کبھی کبھی بن پیدا ہوئے بچوں کا جو ابھی پیٹ میں جنین ہوتے ہیں رشتہ ہوجاتا ہے جو نکاح سے بھی زیادہ موکد اور ناقابل التنسیخ ہوتا ہے۔ اس قسم کے ازدواج سے صرف یہ ہی نقصان نہیں ہوتا کہ فریقین ازدواج اُس خوش معاشرتی سے جو خوشی کے انتخاب وپسندیدگی کا نتیجہ ہے محروم رہ کر ناموافقت و باہمی کدورت کی تلخی تمام عمر چکھتے ہیں بلکہ اُس زبردستی کے رشتہ کے ہوجانے کے بعد نکاح بھی ایسی صغر سنی میں ہوجاتا ہے کہ اُس وقت تک لڑکے اور لڑکی کے اعضاء کا نشو ونما اس رشتہ کے قابل نہیں ہوتا۔ اس لئے جو بچے بچپن میں ہی شوہر و زوجہ اور چند روز بعد باپ اور ماں بن جاتے ہیں اُن کی صحت کو ایسے سخت صدمے اُٹھانے پڑتے ہیں کہ پھر کسی قسم کی تدبیر یا علاج سے تمام عمر اُس کی تلافی نہیں ہوسکتی ٭

جن شرائط پر دوسرے مقصد کا حصول ہے وہ بھی نکاح مروجہ میں کلی طور پر مفقود ہوتی ہیں۔ اوّل تو شوہر کو زوجہ کے پسند کرنے کا اختیار ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو دس بارہ برس کا بچہ کیا جان سکتا ہے کہ میں کس قسم کا اور کتنی مدت کے لئے معاہدہ کرتا ہوں اور اُس کا کیا اثر میری کل زندگی پر ہوگا۔ لیکن اس قدر صغر سنی میں نکاح ہونا ایسا صریحاً مذموم امر ہے کہ اُس کی مذمت سے

عموماً لوگ واقف ہوگئے ہیں اس لئے اِس امر پر زیادہ زور دینا غیر ضروری ہے۔ لیکن جو نکاح عموماً زمانہ بلوغت یا اس سے بھی بعد عمل میں آتے ہیں اُن کے پسندیدہ ہونے میں شاید بہت کم لوگوں کو کلام ہوگا۔ مگر ہم ان نکاحوں کو بھی سخت قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تجربہ ہے کسی صورت میں لڑکی کو تو اپنے لئے شوہر کے پسند کرنے یا اس باب میں کچھ ضعیف سی بھی رائے دینے کا اختیار ہوتا ہی نہیں اِلّا یہ سمجھنا بھی کہ لڑکوں کو ایسا اختیار حاصل ہوتا ہے صریح غلطی ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بزرگوں کا بزرگانہ دباؤ اور عزیز و اقربا کا زبردست لحاظ اور دوستوں کی پاس خاطر ان سب امور کا مجتمع قوی اثر بیچارہ لڑکے پر ڈال کر اُس سے شرما شرمی کسی نہ کسی طرح اظہار پسندیدگی کروا لیتے ہیں۔ مگر آیا یہ اُن کی دلی اور حقیقی پسندیدگی ہوتی ہے اُن کی متاہلانہ زندگی کے طریق عمل سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن کیا امر ہے جو والدین کو اُس قسم کے نکاح سے جو درحقیقت مفید صحت و اخلاق اور مطابق شریعت ہے منحرف کر کے ایسے قسم کے ازدواج کی ترغیب دیتا ہے جس سے فریقین ازدواج کی صحت بالکل برباد اور اُن کے اخلاق مذموم اور بقیۃ العمر سخت تلخی اور بدمزگی میں بسر ہوتی ہے۔ یہ موجب ترغیب کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہی چیز ہے جو دُنیا کی تمام خرابیوں کی جڑ اور ہر فساد کی بنیاد اور ہر فتنہ کا باعث ہوتا ہے یعنی طمعِ زر۔ یہ طمع جو تمام خواہشوں کا اصلی مرکز ہے مختلف اصول کے پیرایہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی شادی کرنے کا یہ اصول قرار دیتے ہیں کہ روٹی ٹکرہ کا آرام ہو جائے۔ یہ اصول عموماً غریب محتاج لوگوں یا اشخاص اہل حرفہ کا ہے جن کو اپنے ہاتھ سے ہانڈی ڈوئی کرنی پڑتی ہے۔ تعلیم و اخلاق اور اُس اعلیٰ درجہ کی خوشی سے

جو شوہر و زوجہ کا روحانی تعلق پیدا کرتا ہے محض بے خبر ہوتے ہیں اُن کا منتہائے خوشی اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب وہ ہارے تھکے بھوکے پیاسے شام کو محنت مزدوری کر کے آئیں تو اُن کو اپنا غریبانہ کھانا گرم گرم تیار ملے۔ کھانا کھا کر اور پانی پی کر لیٹ جائیں اور ایک شخص دلسوزی و محبت سے اُن کی مٹھی چاپی کرے اور اُن کو آرام سے سُلا دے۔ اور اس آرام کے بدلے وہ صرف روکھی سوکھی روٹی اور پھٹے پُرانے کپڑے لینے پر قناعت کرے بلکہ اپنے اس خرچ کی قیمت سے زیادہ محنت کر کے۔ چرخہ کات کر۔ چکی پیس کر۔ سلائی کے کپڑے سی کر اور طرح طرح کی مزدوری کر کر بال بچوں کی پرورش کرے۔ یہ ایسے غریب طبقہ کے شوہروں کا اصول ہے کہ اس طبقہ کی عورت اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی اس آرام سے زیادہ نہیں پاسکتی جو اُس کو اپنے شوہر سے ملتا ہے۔ پس اس طبقہ کے لوگوں میں نکاح کا یہ اصول اور میاں بی بی کا یہ سلوک اُن کی حالت کے لحاظ سے کچھ چنداں قابل شکایت نہیں ہے

درحقیقت نکاح کا یہ اصول کہ روٹی ٹکڑے کا آرام ہو جائے ایک فرع ہے اُس عام غلط اصول کی کہ عورت مرد کے آرام کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے باپ بیٹیوں کو خدمتگار سمجھتا ہے بھائی بہنوں کو خدمتگار جانتا ہے اور میاں بی بی کو باندی بنا کر رکھتا ہے۔ اور اس اصول کی بنیاد ہے خودغرضی اور طمع کیونکہ بحالت مساوات حقوق زن و مرد اخراجات خانگی المضاعف ہو جاتے ہیں ۔

کبھی کبھی یہ اصول اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہوتا ہے جبکہ بعضے لوگ ایسے امیر شخص کی بیٹی سے شادی کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں جو اولاد نرینہ نہ رکھتا ہو کہ بی بی کی بدولت مال کے وارث بنیں۔ پس جب جورو کی کمائی کھانا نکاح کا اصول ٹھیرا تو ایسے اصول پر چلنے والوں کو کیا ضرورت

ہے کہ بیوی کے پسند اور منتخب کرنے کی زحمت اُٹھائیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ناموافقت مزاج ہونے کی وجہ سے جو اس قسم کے نکاحوں کو بالطبع لازم غیر منفک ہے تمام عمر عذاب میں گذرتی ہے اور اصلی شرعی نکاح سے جس قدر برکتیں اور راحتیں پیدا ہوتی ہیں اُتنی ہی ان نکاحوں سے رنجشیں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور آخر کار بجز اس کے کوئی چارہ نہیں پاتے کہ اُس شادی کو جو ماں باپ نے کرائی تھی کالعدم سمجھ کر کسی اور عورت کو جو خوش صورت و خوش سیرۃ ہو رفیق بنائیں۔ مگر قوم کی حالت و دستور اجازت نہیں دیتا کہ اپنا اختیار و پسندیدگی پورے طور پر کام میں آسکے۔ ہرچند رسول خدا صلعم کا حکم موجود ہے کہ نکاح کرنے سے پہلے دیکھ لو مبادا اُن میں کوئی عیب یا ایسا امر ہو جو بعد نکاح موجب ناموافقت ہو مگر کون خدا اور کس کا رسول۔ یہاں فرضی ناموس ناموس اکبر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ لاچار شرفا کے بچے بجز کسبیوں کے اور کسی کو نہیں پاتے جو اس حکم رسول خدا صلعم کا استعمال اپنے پر ہونے دیں۔ لاچار وہ کسبیوں کو گھر میں ڈالتے اور شریف خاندانوں کو بدنام کرتے اور اپنے بڑوں کی عزت کو جو ضرور ڈوبنی چاہئے تھی ڈبوتے ہیں۔

ایک اور اصول نکاح کا ہے جس سے گو اس قدر دنائت نفس ظاہر نہیں ہوتی جس قدر اصول مذکورۂ بالا سے مگر بد نتائج پیدا کرنے میں دیگر اصول سے کچھ کم نہیں میری مراد اُس اصول سے ہے جو ہڈی کے اچھا بُرا ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عورت کی صورت شکل کا کیا دیکھنا۔ عورت کی صفت یہ ہے کہ ہڈی کی اچھی ہو۔ ہڈی سے واقعی جسم کی استخوان مراد نہیں ہیں بلکہ شرافت نسبی سے کنایہ ہے۔ بعض لوگ تو اس شرافت نسبی پر اس قدر شیدا اور دلدادہ

ہیں کہ اُن کے نزدیک عورت کا لنگڑی۔ اندھی۔ کانڑی۔ اپاہج۔ زشت رو۔ بدسیرۃ ہونا اُس کے شریف النسب ہونے کی خوبیوں کے آگے ہیچ ہے۔ بعض حسن پرست اس میں ترمیم کرکے یہ کہتے ہیں کہ آنکھیں اور دل لحظہ بھر کے لئے کسبیوں سے بھی خوش کیا جاسکتا ہے مگر بی بی کہلانے کے لئے کوئی شریف النسب عورت ہی گھر میں ہونی چاہیئے۔

ایک قصہ ہمیں ہمیشہ یاد رہیگا۔ کسی نے ہمارے آگے اپنی بی بی کی بہت تعریف کی اور خدا کا بہت شکر ادا کیا کہ ایسی بی بی اُس کو عطا فرمائی۔ ہمیں اُس کی بی بی کے اوصاف سُننے کا شوق ہوا۔ اُس نے کہا کہ بس وصف کیا بیان کروں۔ خدا جانے آپ کی کیا رائے ہے۔ مگر میری رائے میں تو اُس میں ایک وصف تمام جہان کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ میں نے کہا کہ آخر فرمایئے تو سہی۔ اُس نے کہا کہ شاید آپ یوں ہی ہنسی میں اُڑائیں میں ہرگز بیان نہ کرونگا۔ مجھے اس بات کی کچھ پروا نہیں کہ اُس وصف کی کوئی اور شخص بھی داد دے۔ غرض جب ہم نے بہت اصرار کیا تو یہ معلوم ہوا کہ اُن کی بی بی دونو آنکھوں سے اندھی ہے۔ اور باوجود اندھی ہونے کے روٹی وغیرہ کا کام اچھی طرح انجام دے لیتی ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک ضرب المثل سُنائی جو اس وقت ہمیں یاد نہیں رہی اُس کا مطلب یہ تھا کہ عورت ایسی زشت رو کرنی چاہیئے جس کی طرف کسی کو رغبت نہ ہو۔ اور اندھی ہونے سے اس بات پر خوش تھے کہ اُن کو اس امر کا اطمینان ہے کہ وہ کوٹھے پر کھڑے ہو کر یا ڈولی کے پردہ میں سے یا اور کسی روزن وغیرہ میں سے مردوں کو دیکھ نہیں سکتی جس سے خواہ مخواہ وہم پیدا ہوں۔

جس طرح نکاح سے نکاح کرنے والوں یعنے شوہروں کی بعض اوقات کمینہ غرضیں ہوتی ہیں

اسی طرح بعض اوقات لڑکی کے ماں باپ کی بھی غرض نہایت کمینہ ہوتی ہے ؛

ایک غریب مفلوک الحال خاندان نے اپنی لڑکی نہایت آسودہ حال و متمول خاندان میں میں اس غرض سے بیاہی کہ اُس کے ذریعہ سے ہم امیر ہوجائیں۔ اس کا انتظام انھوں نے اس طرح کیا کہ مہر کی تعداد زیادہ قرار دی اور اپنی کوشش اس میں مبذول رکھی کہ لڑکی اپنے شوہر کی اس قدر تابعدار اور فرمانبردار اور گرویدہ نہ ہوجائے کہ جو وہ کہے وہ ہی کرے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ اُن کی لڑکی اپنا مہر معاف نہ کرے۔ اس کے بعد یہ منصوبہ باندھا کہ دو صورت میں سے ایک صورت ہونی ضرور ہے۔ یا شوہر پہلے مریگا۔ یا بی بی۔ اگر شوہر پہلے مرا تو وہ بیٹی سے مہر کا دعوے کرکے دولت بے شمار حاصل کرینگے۔ اور اگر وہ خود پہلے مرگئی تو شوہر سے ترکہ دختری کے دعوے دار ہونگے ؛

لالچی ماں باپ کی بدنصیبی سے لڑکی کو اپنے شوہر میں کوئی عیب نظر نہ آیا اور میاں بیوی میں اس قدر محبت بڑھ گئی کہ اُس نے نہایت خوشی سے مہر معاف کردیا۔ کہتے ہیں کہ ماں باپ اُس بدنصیب لڑکی سے اِس قدر آزردہ ہوئے کہ نہ موت کے وقت اُس سے ملنے آئے اور نہ جنازہ میں شریک ہوئے اور نہ ماں نے اپنی لڑکی کا دودھ بخشا ؛

ایک مقروض خاندان کا ذکر ہے جس کے ذمہ بہت سا قرضہ ایک اور خاندان کا تھا۔ مقروض خاندان کی ایک لڑکی کا رشتہ دوسرے خاندان میں ہوا۔ ایام نسبت میں لڑکی کے رشتہ داروں پر یہ بات کھل گئی کہ لڑکی اور لڑکے میں بے حد محبت ہے خصوصاً لڑکے کو اس قدر فریفتگی ہے کہ شاید اُس لڑکی کے بغیر جان ہلاک کردے۔ اس لئے سب بیدردوں نے

صلاح کی کہ قرضہ کی ادائگی کی یہ ہی سبیل ہے کہ معافی قرضہ شرط نکاح ٹھیرائی جائے۔ ادھر لڑکا بدحال ہو رہا تھا اور اُدھر لڑکی رو رو کر ہلاک ہوئی جاتی تھی۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ اس کو سل ہوگیا ہے مگر ماں باپ کا دل بھی پتھر کی سل بن گیا۔ اور سب نے عزم کرلیا کہ خواہ یہ بڈھی ہو جائے مگر اس کا نکاح اس لڑکے سے نہیں ہونے دینگے تاوقتیکہ ہمارا قرضہ معاف نہ ہو۔ کوئی اُس کو کہتا تھا کہ نکاح کی تجھے کیا ضرورت ہے کیا تیرا روٹی ٹکڑا ہمیں بھاری ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ مصلے پر بیٹھی اللہ کو یاد کیا کرو۔ کوئی کہتا تھا کہ ہم تجھ کو مکہ حج کے واسطے لے جائینگے وہاں اللہ کی یاد میں عمر تیر کر دینا۔ اور اُس پر گذرتا تھا جو گذرتا تھا۔ مگر آفرین ہے اُس پاک نہاد نوجوان پر بھی۔ کہتے ہیں کہ اُس نے قرضہ کا بوجھ اپنے ذمہ لیا اور گُل و بلبل کا عقد ہوا۔

غرض نکاح کے جو اصلی اغراض و مقاصد تھے وہ لوگوں کے دلوں سے مٹ گئے اور ان کی جگہ لوگوں کے دلوں میں جھوٹے اصول اور کمینہ خواہشیں متمکن ہوگئی ہیں۔ اس لئے اُن اغراض و مقاصد کی تکمیل کے جو طریقے تھے اُن کی پیروی کی بھی کچھ ضرورت نہ رہی اور لوگ نکاح کے باب میں بالکل غلط راہوں پر پڑ گئے اور گمراہ ہوگئے اور اس گمراہی سے جو خرابیاں پیدا ہونی ضرور تھیں وہ پیدا ہو رہی ہیں۔ ہر ایک گھر میں نااتفاقی اور بغض اور لڑائی جھگڑے کا بیج بویا گیا ہے جو اپنا قدرتی پھل لا رہا ہے اور لائیگا۔ ان جھگڑوں سے ہزاروں شریفوں کے گھرانے جو حقیقی راحت و شادمانی کی تصویر ہوتے اور بے انتہا محبت و خوشی کے مرجع بنتے بدترین کدورتوں اور دل آزاریوں کے نمونے ٹھیرے ہیں۔ اور ان گھرانوں کو رات دن وہ بے لطفیاں اور ناچاقیاں گھیرے رہتی ہیں کہ نکاح تمام خاندانی فسادوں کی جڑ اور تمام تنازعات کی اصل

قرار پاگیا ہے۔

مجھے ایک شریف خاندان کے نکاح میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ بارات لڑکی والوں کے ہاں جا پہنچی تھی۔ نکاح کا وقت آگیا تھا۔ قاضی کی آمد کا انتظار تھا کہ کسی خبر کرنے والے نے دولھا کو خبر لا کر دی کہ وہ لڑکی جس کو تم تمام دنیا میں سے اپنے واسطے عمر بھر کے لئے مونس غمخوار منتخب کرنا چاہتے ہو وہ محض ناخواندہ او چیچک رو اور ایک آنکھ سے کانی ہے۔ دولھا نے تمام عمر کی تکلیف میں پڑنے اور اُس کی تلخیاں چکھنے کی نسبت اس وقت کی لحظہ بھر کی بے شرمی کی ذلت کو گوارا کر کے عزم مصمم کر لیا کہ میں اِس کانی دولھن کو منظور نہ کرونگا۔ بڑے بوڑھے لوگوں کو جنھوں نے بڑی چھان بین سے اچھی ہڈی کی دولھن چھانٹی تھی سخت تشویش پیدا ہوئی۔ آخرش اپنے اپنے خیالات کے بموجب دولھا کی دلجوئی کرنی شروع کی۔ کسی نے کہا بھائی تم ابھی بچے ہو۔ بیوی کی شکل صورت نہیں دیکھتے۔ بیوی کی سیرۃ دیکھنی چاہئے۔ کسی نے کہا میاں لڑکے کیسے غضب کی بات ہے کہ تم کنوارے ہو کر بیاہ کے معاملہ میں اپنی زبان سے بولتے ہو۔ ایک اور بولے ارے میاں یہ کون مشکل کی بات ہے۔ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ اگر تم کو یہ بیوی پسند نہ آئی تو اپنے پسند کی اور کر لینا۔ جو خدا نے مقدور دیا تو دو کر لینا۔ تین کر لینا۔ چار کر لینا۔ ان سے بھی ہوس پوری نہ ہوئی تو طلاق دے کر ان کو ادل بدل کرتے رہنا۔ ہم ذمہ وار بنتے ہیں کہ جیسی خوبصورت بی بی چاہو گے ہم تم کو ڈھونڈ دینگے۔ غرض وہ بیچارہ دم میں آگیا اور قاضی کے آگے جا بیٹھا۔ اور قبول کیا کا بول مُنہ سے نکلنا تھا کہ عمر بھر کے لئے لاعلاج روگ لگ گیا۔ سمجھانے والے پلاؤ زردہ کھا کے چلے گئے۔ اب اُس بیچارہ میں نہ اس قدر استطاعت ہے کہ دوسرا نکاح

کر سکے۔ نہ اس قدر مقدور کہ پہلی بیوی کا مہر ادا کرکے اُس سے مخلصی پائے قہر درویش برجان درویش عجب بلا میں مبتلا ہے۔ وہ مظلوم لڑکی نہ بیوی ہے نہ مطلقہ بلکہ معلقہ۔ اور وہ بے گناہ سوچتی ہے اور خدا کے آگے رو رو کر التجا کرتی ہے کہ یا الٰہی میرا اس معاملہ میں کیا قصور ہے۔ آرسی مصحف کے سوا میرے شوہر نے میری شکل نہیں دیکھی کہ میں اُس کی خدمت کرتی۔ مجھے کبھی اپنے شوہر کے پاس لحظہ بھر بیٹھنے کی اجازت نہیں ملی کہ میں اپنے بے کئے اور نامعلوم تقصیروں کی معافی مانگتی۔ اے مقلب القلوب تو میرے شوہر کا دل نرم کرکہ وہ مجھ غمزدہ اور ستم رسیدہ کو اپنی ادنٰی ترین باندی سمجھ کر موقع خدمتگزاری کا دیں۔ میں نہیں جانتا جن عقل کے اندھے والدین نے اپنی بیٹی کی زشت روئی چھپانے میں کوشش کی اور جہاں تک ہوسکا اُس کو حسین و قبول صورت ظاہر کرنا چاہا اُن کو اپنی لخت جگر کے ایسے نکاح سے کیا خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ اسی طرح جن کوتاہ اندیشوں اور نالائقوں نے دولھا کو خلاف مرضی پھسلا بہلا کر جال میں ایک مرتبہ پھنسانا کافی سمجھا وہ خود اپنے جگر گوشہ کی تلخکامی اور بہو کی ناشاد زندگانی سے کیا دلشاد ہوتے ہونگے۔

میرے ایک اور بدنصیب نوجوان دوست ہیں جنھیں خدا نے اپنے فضل سے علم دولت صحت ناموری خاندانی پاکیزگی خیالات ہر دلعزیزی سب کچھ عنایت کیا۔ مگر عمر بھر کا رفیق دل پسند نہ ملا۔ گو اُس بدنصیب جوان نے بے شرم ہوکر اپنی دل پسند جگہ بھی بتلا دی مگر سُنتے ہیں کہ وہ لڑکی کے امتحان میں پوری نہ نکلنے کی وجہ سے اور اُس کے ہمراہ بہت بیش بہا جہیز آنے کی امید نہ ہونے سے خاندان کے بڑے بوڑھوں نے کپڑوں کے چمکیلے جوڑوں اور گراں بہا طلائی زیوروں کے مقابلہ میں اپنے نورِدیدہ کی دل شکنی کو جس کو وہ اپنی خوش فہمی سے لحظہ بھر کی ناخوشی اور

بچپن کی ضد سمجھتے تھے گوارا کیا۔ آخر وہ حرماں نصیب جس کو یہ بھی شکل پیش آئی ہے کہ وہ ازدواج ثانی کو مشروط بعدل سمجھتا اور اس شرط کا ایفاء ناممکن جانتا ہے سخت یاس وحسرت میں گرفتار اور رنج ومحن میں مبتلا ہے نہ یارائے شکیبائی نہ طریق رہائی یاس وحسرت کے اشعار پڑھنا۔ سرد آہیں بھرنا۔ ہر وقت غمگین اور اوداس رہنا۔ عمر بھر کے لئے امید کی خوشی سے محروم ہوجانا نوجوانی میں کیسی آفت ہے۔ بیٹے کو دولھن سے ناخوش دیکھ کر ماں باپ کا دن رات دل جلتا ہے۔ مگر یہ جگر خراش رنج اور لاعلاج خرابیاں دوسرے ماں باپوں کو کچھ عبرت نہیں دیتیں اور نکاح کے طریق میں کوئی اصلاح عمل میں نہیں آتی۔ وہ مظلوم غمزدہ لڑکیاں جن کو ماں باپ نے دنیا کے کتے بن کر چند روزہ دنیا کی نعمت کے لالچ سے گھر سے دھکیل دیا۔ جن کے شوہروں نے اس نالایقی کے قصور میں کہ اُن کے ماں باپ نے شرع کی صریحاً مخالفت کرکے اُن کی سچی رضامندی حاصل کرنے کے بغیر اُن کا نکاح کردیا کبھی آنکھ اُٹھا کر اُن لڑکیوں کو نہیں دیکھا جن کی ساری عمر اپنی قسمت پر رونے اور اپنی بدقسمتی سے اپنے ماں باپ کو رولانے میں گذری دوسرے ماں باپوں کو کچھ سبق نہیں دیتیں۔ غلطی پر غلطی کی جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کو جان بوجھ کر جان سے مارا جاتا ہے +

یہاں تک ہم نے جو کچھ کہا وہ اُن خرابیوں کی نسبت تھا جو نکاح میں شوہر کی پوری پوری آزادانہ رضامندی حاصل نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں مگر اسی قدر اس کے مقابل میں وہ خرابیاں ہیں جو نکاح میں عورت کی پوری پوری آزادانہ رضامندی حاصل نہ کرنے سے پیدا ہوسکتی ہیں۔ گو عورات کے حقوق ہمارے ملک میں ایسے دبائے گئے ہیں کہ اُن کو خود اپنے حقوق کا دعوےٰ بلکہ خیال تک کرنے کی جرات نہیں رہی۔ عورتیں اپنے تئیں نہایت خوش قسمت جانتی ہیں اگر شوہر اُن کے

ہمراہ سیدھے منہ سے بولیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ اپنی پسند کے اختیار کو استعمال میں لاکر شوہروں پر نکتہ چینی کریں۔ لیکن خواہ وہ کیسی ہی تابعداری و اطاعت وخدمتگزاری کیوں نہ کریں دلی رغبت اور محبت اختیاری امر نہیں ہے۔ پس جو لوگ عورتوں کا قدرتی اختیار چھیننا اور اُن کی ظاہری اطاعت وفرمانبرداری وغمخواری کو محبت پر محمول کرنا پسند کرتے ہیں اُن کو یاد رہے کہ اس زبردستی کا لازمی نتیجہ خود اُن کے حق میں مفید نہ ہوگا یعنے وہ سچا اُنس وخلوص اور وہ مقام محبت کا جسے ایک روح اور دو جسم ہوجانے سے تعبیر کرتے ہیں کبھی نصیب نہ ہوگا اور وہ اُس حقیقی نکاح کا جو خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں میں منظور ہے ہرگز حظ ولطف نہ اُٹھا سکینگے۔

ہزاروں شریف نوجوان ملینگے جن کی بیبیاں نہایت حسین اور تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند ہیں اور اپنے شوہروں کی اطاعت اور فرمانبرداری اور انتظام خانہ داری سب کچھ کمال خوش سلیقگی سے کرتی ہیں مگر ہم اُن نوجوانوں کو آوارہ اور فسق وفجور میں مبتلا پاتے ہیں۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ تعلیم اور تربیت اور نیک صحبت نے جو کچھ فرایض زوجیت لڑکیوں کو سکھائے اُن سب پر وہ لڑکیاں پورا عمل کرتی ہیں اور جتنے اختیاری امور ہیں اُن میں وہ اپنے شوہروں پر ملال نہیں آنے دیتیں مگر سچا اخلاص اور پیار جس سے وہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی اُس پر تعلیم وتربیت کی حکومت نہیں۔ وہ سچا پیار واخلاص کرنا چاہتی ہیں مگر نہیں کرسکتیں کہ وہ اُن کی طاقت سے خارج ہے۔ پس وہ نوجوان ان تمام ظاہری خوشیوں میں ایک ایسی شے کی افسوسناک کمی پاتا ہے جس کو بے اختیار اُس کا دل ڈھونڈتا ہے اور وہ نہیں ملتی۔ پس قطع نظر

اس بات کے کہ انصافاً وطبعاً عورت کو اپنے شوہروں کے انتخاب کا ویسا ہی اختیار ملنا چاہئے جیسا مردوں کو۔ اگر عورات کو یہ اختیار نہ دیا جائے تو اِس کا اثر بھی مردوں پر ہی منعکس ہوتا ہے اور نہایت اہم غرض جو نکاح سے تھی یعنے حصول عفّت و پاکیزگیِ نفس وہ فوت ہوجاتی ہے۔ اگر بیوی اپنی محبت صرف روٹی ٹکڑا کھلا دینے گھر بار کا عمدہ ترین بندوبست کرنے اور درد میں ہمدردی کرنے پر محدود رکھتی ہے اور اُس میں محبت والفت کی وہ ادائیں نہیں جو شوہر کے دل کو اپنے میں اس طرح جذب کرلیں کہ وہ کسی اور جگہ بھٹکتا نہ پھرے اور اُن میں وہ اندازِ محبوبیت نہیں پایا جاتا جسے درحقیقت مرد کا عمر بھر کے لئے عورت کے لئے مخصوص ہوجانا اور عورت کا مرد کے لئے مخصوص ہوجانا ممکن ہو جو اصل مقصد و معنی نکاح ہے تو وہ نکاح نہ صرف فضول ہے بلکہ گناہ ہے کیونکہ غیر نکاح کی حالت میں صرف ایک بدکاری کا گناہ ہوتا اور نکاح کی حالت میں بدکاری کے گناہ کے سوا سخت بے ایمانی کا جو عورت کی حق تلفی سے مراد ہے علیحدہ گناہ ہے۔ اسی واسطے شارع علیہ السلام نے بدکاری کی سزا جو غیر حالت نکاح میں عمل میں آئے سو تازیانہ مقرر کی ہے لیکن اگر نکاح کرکے یعنے اپنے تئیں ایک عورت کے لئے مخصوص کرنے کا معاہدہ کرکے پھر بدکاری کرے تو وہ پاجی بدکار خداوند تعالیٰ کی نظر میں اس قابل نہیں رہتا کہ دنیا میں رہے بلکہ اُس کو فوراً سنگسار کرنا واجب ہے۔

مجھے اس امر کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ بڑے بڑے جبہ اور عمامے پہننے والے۔ اور بہت سے تہذیب کے مدعی جو اعلےٰ تعلیم پانے کا فخر حاصل کئے ہوئے ہیں اس قابل اعتراض بلکہ قابل نفرین طریق نکاح کی بدولت ایسی پلیدی اخلاق میں ڈوبے ہوئے

ہیں کہ اگر اُن کے سینوں کا کھولنا اور اُن کے مافی الضمیر کا پڑھ لینا ممکن ہو تو وہ سنگسار ہونے کے قابل نکلیں۔ ان تمام خرابیوں کی بنیاد اس امر پر ہے کہ عورت و مرد کو نکاح کے لئے ایک دوسرے کے انتخاب کی آزادی نہیں دی جاتی بلکہ اُن کو اپنی پسند کی بجائے دوسروں کی پسند پر مجبور کیا جاتا ہے جو بالکل خلاف طبع ہے۔ صرف یہی نہیں کہ عورت سے اختیار پسندیدگی شوہر چھین لیا گیا ہے بلکہ حکم شرعی کو جس کے رو سے ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے لغو سمجھ کر عورت کے مُنہ سے الفاظ متضمن رضامندی کا باضابطہ طور پر ادا کروانا ہی لغو سمجھا ہے اور احکام فقہ کو ایک مضحکہ بنایا ہے۔ یہ سچ ہے کہ احکام فقہ وحدیث کے رو سے عورت کا سکوت اُس کی رضامندی پر محمول ہوتا ہے۔ مگر اس قاعدہ کی بنیاد صرف عرف عام پر ہے۔ اگر کسی قوم کی نسبت یہ علانیہ معلوم ہو کہ اُن میں سکوت علامت نارضامندی ہے تو وہاں یہ قاعدہ نہیں چل سکتا۔ علےٰ ہذاالقیاس جہاں لڑکی کے وارثوں اور اقربا کو یقین ہو کہ یہ سکوت محض بوجہ فرط حیا ہے اور اگر لڑکی کو رشتہ مجوزہ منظور نہ بھی ہو تب بھی وہ بوجہ حیا ہرگز اظہار نارضامندی نہیں کرنے کی یعنے جن مواقع میں سکوت قبولیت وانکار ہر دو پر محمول ہو سکتا ہو اُن حالات میں سکوت کو بلا کسی وجہ کے خاص رضامندی کی علامت قرار دے لینا شریعت کے ساتھ بے ادبی وگستاخی کرنا ہے۔ اس رائے میں ہم منفرد نہیں رہے ہیں بلکہ اپنے بھائی مالکیوں کو اس مسئلہ میں اپنا ہمخیال پاتے ہیں جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ جب لڑکی

اختلفوا فیما اذا لم تتکلم بل ظہرت منہا قرینۃ السخط اذا الرضا بالتبسم مثلاً	چپ ہو جائے اور چپ ہونے کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے لڑکی کی ناراضگی ظاہر ہو

اولا بکا و نحو ذلک المالکیۃ ان نفرت او بکت او قامت او ظہر منہا ما یدل علی الکراھۃ لم تزوج و فرق بعض الشافعیۃ بین الدمع فان کان حارا دل علی المنع و ان کان باردا دل علی الرضا۔ فتح الباری)

مثلاً وہ نکاح مجوزہ کے لئے پٹنا بھی گوارا کرے اور وہاں سے اُٹھ کھڑی ہو یا آبدیدہ ہو یا اور کوئی علامت رنجش کی ظاہر کرے تو نکاح نہیں ہوگا۔

لطیفہ۔ خدا مغفرت کرے ہمارے بعض علمائے شافعیہ پر جو اپنی نازک خیالی کا ایک عجیب نمونہ اس مسئلہ میں چھوڑ گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر لڑکی آبدیدہ ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اُس کے آنسو گرم ہیں یا سرد۔ اگر گرم ہوں تو نکاح نہیں کرنا چاہئے اور اگر سرد ہوں تو اس کو علامت رضامندی سمجھنا چاہئے۔ اگر اُس زمانہ میں تھرمامیٹر ہوتے تو اِن دانشمندوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ آنسوؤں کی بجائے تھرمامیٹر سے گرمی سردی معلوم کرکے نکاح کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کیا کرتے +

کیا عورت کی رضامندی حاصل کرنے کے یہی معنے نہیں ہیں کہ اُسے اس قسم کا اختیار دیا جائے کہ اگر وہ رضامند ہے تو اپنی رضامندی کا اظہار کردے اور اگر نارضامند ہے تو بلاخوف و تامل نارضامندی کا اظہار کردے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اس قسم کا اختیار عورت کو دیا جائیگا تو پوچھنے والے کو اُس کی طرف سے ہاں اور ناں کی یکساں توقع رہیگی۔ لیکن کوئی ہمیں بتادے وہ کون سے ماں باپ ہیں جو اپنی بیٹی سے اظہار رضامندی لینے لینے گئے اور اُن کو اُس کی طرف سے انکار کی بھی اُتنی ہی توقع تھی جتنی ایجاب کی اور وہ اُس کے انکار سے بھی اُسی قدر خوش رہتے جس قدر اُس کے ایجاب سے۔ پس اگر اس قسم کا

اختیار لڑکی کو نہیں دیا جاتا تو وہ نکاح شرعی ایجاب وقبول سے خالی رہیگا اور سکوت بمنزلۂ
رضامندی نہیں سمجھا جائیگا۔ اور شرعًا وہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ایسے نکاح آنحضرت صلعم کے عہدِ
مبارک میں بھی ہوئے اور ناجایز قرار دئے گئے چنانچہ ہم دو مثالیں اس مقام پر لکھتے ہیں۔ عائشہ

عن عائشہ ان فتاة دخلت علیها وقالت
ان ابی زوجنی اخیه لیرفع بی خسیسته وانا
کارهة فقالت اجلسی حتی یاتی النبی صلی الله علیه
وسلم فجاء رسول الله واخبرته فارسل
الی ابیها فدعاه فجعل الامر الیها فقالت
یا رسول الله قد اجزت ما صنع ابی
ولکن اردت ان اعلم ان للنساء من
الامر شیٔ۔

کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان لڑکی آئی
اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے
میرا نکاح کر دیا ہے حالانکہ میرا دل اُس کو پسند
نہ کرتا تھا۔ حضرت عائشہ بولیں کہ ذرا بیٹھ جا کہ
آنحضرت تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف
لائے اُس لڑکی نے اپنا قصہ سُنایا۔ آپ نے اُس
کے باپ کو طلب کیا۔ اور کہا کہ اس نکاح کا قایم
رہنا یا نہ رہنا اس لڑکی کی خوشی پر منحصر ہے۔ لڑکی
نے کہا یا رسول اللہ مجھے اپنے باپ کا کیا منظور ہے
لیکن میں نے یہ سب کچھ اس واسطے کیا ہے تا
کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ عورتوں کا حق بھی کوئی
شے ہے ۔

عن ابن عمر قال توفی عثمان بن مظعون
وترک ابنته له من خولة بنت حکیم واوصی
الی اخیه قدامة ابن مظعون قال عبد الله
وهما خالای فخطبت الی قدامة ابنة عثمان
فزوجنیها۔ ودخل مغیرة ابن شعبه یعنی
الی امها فارغبها فی المال فخطبت

ابن عمر کہتے ہیں کہ عثمان ابن مظعون مرگیا اور
اُس نے ایک بیٹی چھوڑی اور اُس کے نکاح

الیہ وحطت الجاریۃ الی ھوی امھا فابتا حتی ارتفع امرھما الی رسول اللہ فقال قدامۃ یا رسول اللہ ابنۃ اخی اوصی بھا الیّ فزوجتھا ابن عمتھا فلم اقصر بھا فی الصلاح ولا فی الکفاءہ ولکنھا امراۃ وانما حطت الی ھوی امھا۔ قال فقال رسول اللہ صلعم ھی یتیمۃ ولا تنکح الا باذنھا قال فانتزعت واللہ منی بعد ان ملکتھا فزوجوھا المغیرہ ابن شعبۃ رواہ احمد ودارقطنی (نیل الاوطار)

کی بابت اپنے بھائی قدامہ کو اختیار دیا۔ عثمان اور قدامہ دونوں ابن عمر کے ماموں تھے۔ ابن عمر نے قدامہ سے اُس کی بھتیجی کے لئے خواستگاری کی چنانچہ اُس نے اُس لڑکی کا نکاح ابن عمر سے کردیا۔ اِس کے بعد مغیرہ ابن شعبہ لڑکی کی ماں کے پاس گیا۔ اور مال کا لالچ دیا۔ چنانچہ ماں کی رائے پھر گئی اور ماں کے ساتھ لڑکی کی بھی۔ آخر دونو نکاح سے منکر ہو گئے۔ یہ معاملہ رسول اللہ کے پاس پہنچا۔ قدامہ نے کہا کہ یہ لڑکی میری بھتیجی ہے اس کے باپ نے وصیت کی تھی کہ میں اس کا نکاح کردوں۔ سو میں نے اس کا نکاح اس کے پھوپھی زاد بھائی (ابن عمر) سے کردیا۔ میں نے اس کی بہتری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور لڑکا اس کا ہم کفو بھی ہے۔ لیکن آخر یہ عورت ہے اور ماں کی طرفدار ہے۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ یتیم ہے اِس کا نکاح اسی کی خوشی پر ہونا چاہیئے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے چھین لی گئی۔ حالانکہ خدا کی قسم وہ پورے طور سے میری ملکیت میں آچکی تھی پھر اُس کا نکاح مغیرہ ابن شعبہ سے کردیا + (نیلِ الاوطار)

کیسے افسوس کی بات ہے کہ رسم و رواج اور اپنے فرضی ناموس کے قایم رکھنے کے لئے شریعتِ مصطفوی کو پامال کیا جاتا ہے۔ خدا اور رسول کے ساتھ ٹھٹے اور دغا بازیاں کی جاتی ہیں۔

اور خدا کے محکمہ کو دنیا کے اُن ذلیل محکموں کی سطح پر لانا چاہتے ہیں جہاں قانون کے معنی کی نسبت زیادہ تر اُس کے الفاظ پر بحث ہوتی ہے۔ پس اُس علام الغیوب نیتوں کے جاننے والے کے آگے کیا جواب دوگے جو جانتا ہے کہ سکوت سے سکوت والے کی نیت کیا ہے اور پوچھنے والے کی نیت کیا ہے۔ ہمیں کوئی بتادے کہ لاکھوں کروڑوں نکاحوں میں جو ہر روز ہوتے ہیں اتنی کیسی مثالیں ہیں جن میں کسی نے یہ بھی کہا ہو کہ مجھے قبول نہیں۔ اگر ایسے سوال کو جس کے جواب میں ہمیشہ ایجاب کی توقع رکھی جاتی ہے۔ اور فی الواقع ایجابی جواب ملتا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ موقع کسی اور قسم کے جواب کا نہیں اور تمام تیاریاں بیاہ کی اس یقین پر کرلی جاتی ہیں کہ جواب ایجابی ہی دیا جائیگا اگر ایسے سوال کو اختیار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے تو یہ لفظ کا بالکل غلط استعمال ہے +

لیکن سب سے سخت مشکل یہ ہے کہ اگر اس قسم کا پورا اختیار عورت کو دے بھی دیا جائے تو وہ بیچاری ایک شخص کو کس طرح اچھا یا بُرا کہہ سکتی ہے جبکہ اُس نے اُس کو دیکھا تک نہیں اُس کی عادات و اطوار سے واقفیت حاصل نہیں کی۔ وہ نہیں جانتی کہ اُس کی خو بو کیسی ہے۔ اور وہ اُس کے ہمراہ کس قسم کا سلوک کریگا۔ پس عورت کو اختیار ملنے کی صورت میں بھی فقط اس مختصر امر کی بنا پر کہ فلاں شخص فلانے شخص کا بیٹا ہے اور اس عمر کا ہے وہ زندگی بھر کے معاملات پیچیدہ کے لئے اُس کو کس طرح منتخب کرسکتی ہے +

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی خرابی کی اصل بنیاد یہی پردہ خلاف شرع ہے جس کے رو سے فریقین ازدواج کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھ کر جُوے کے طور پر قسمت کے بھروسہ

پر ایک کام کیا جاتا ہے جو ممکن ہے کہ موجب شادمانی و کامرانی ہو اور ممکن ہے کہ عمر بھر کے لئے عذاب جان اور موجب یاس و حرمان ہو۔

کیسے غضب اور افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ایک لڑکی کو کپڑوں میں لپیٹ لپاٹ اور اُس کی صورت شکل سیرۃ تمام حالات چھپا کر جوے کی بازی پر لگانا کہ لو اس لڑکی کو خواہ اندھی ہو۔ کانڑی ہو۔ لنگڑی ہو لولی ہو منظور کرتے ہو۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ ہاں منظور ہے۔ قسمت کا پاسہ ڈالا جاتا ہے اور عمر بھر کی خوشی یا رنج اُس پاسہ کے نتیجہ پر موقوف ہے۔ کونی اس سے زیادہ بیہودہ اور لغو طریق نکاح خیال میں آسکتا ہے؟

اصول نکاح کو تو خراب کیا ہی تھا اس تقریب کے رسوم کو جن سے سراسر خوشی و مسرت کا اظہار ہونا چاہئے تھا اور بھی ایسا بھدا اور بدنما بنایا ہے کہ اُس سے بدتر رسوم بھی خیال میں آنی مشکل ہیں۔ لڑکی کا مایوں میں بیٹھنا اور تاریخ نکاح تک بالتخصیص غلیظ و میلی زندگی بسر کرنا۔ سُسرال میں جاکر بیمار اپاہج کی طرح دوسروں کی گود میں اُتارا جانا۔ آنکھیں بند کرکے گردن جُھکا کے دن بھر بیٹھنا۔ حتے المقدور فاقہ کرنا۔ کھانا کھانا تو دوسرے کے ہاتھ سے۔ جائے ضرور جانا تو دوسروں کی گود میں سوار ہوکر۔ بھلا کوئی انسان کہہ سکتا ہے کہ یہ اُس خوشی کے اظہار کی علامتیں ہیں جو زندگی میں سب سے بڑھ کر خوشی ہے کیا یہ اپاہج۔ قریب المرگ۔ مایوس العلاج بیمار کا سوانگ نہیں ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ کوئی خوش نصیب صحتور لڑکی ایسی ہوگی جو اس کڑی ازمائش میں بے بیمار ہوئے رہے۔ پھر ان بیہودہ رسوم کی ترقی دینے والی نالایق عورتیں بیچاری نوعمر لڑکیوں کو عجیب عجیب حکائتیں سُنا کر ان بیہودگیوں کی برداشت کی عادت ڈالتی ہیں۔ کوئی

کہتی ہے کہ ایک بہو کی پیٹھ پر کنکھجورا چڑھگیا اور اُس کے جسم کے اندر اپنے پانو گڑوکر گھس گیا مگر دولھن نے اُف نہ کی۔ کوئی کہتی ہے کہ ایک بہو کے پاس سے جب عورتیں علیحدہ ہوئیں تو اُس نے نائن کو کہا کہ بی دیکھنا میرے کندھے میں کسی نے کاٹا ہے۔ میں بیبیوں کے شرم سے ہل جُل نہ سکی۔ دیکھا تو ایک زہریلا بچھو کندھے پر ڈنک مار رہا تھا۔ ایک دولھن کا ذکر ہے کہ اُس کو میکہ میں زیور پہنا رہے تھے اور وہ بے حس و بے حرکت بیٹھی تھی۔ پہنانے والی نے بالیاں پہناتے ہوئے نہ دیکھا کہ کان کتنے بندھے ہیں اور عورتوں کے ساتھ باتیں چیتیں کرتے بغیر دیکھے بھالے کان میں بلا سوراخ بالی گھُسانی شروع کردی اور جب اُس کا اپنا ہاتھ خون سے تر ہوا تو معلوم ہوا کہ اُس بے زبان لڑکی پر کیا ظلم کیا۔ یہ تمام لغویات جو صحت کے لئے مضر، شریعت کے مخالف۔ دیکھنے سُننے میں قابل نفرین ہیں قطعاً موقوف ہونی ضرور ہیں اور نکاح کو اپنی اصلی صورت شرعی پر لانا اور اُس کا اعلان چند خوشی کے نشانوں سے کرنا کافی ہے۔ دولھن کے جہیز کو لوگوں میں دکھانے کا طریق بھی جو نہایت خلاف تہذیب و شائستگی ہے بند کرنا چاہئے۔ ہماری رائے میں نکاح کے طریق کی درستگی اور آسانی کے لئے مفصلۂ ذیل تجاویز قابل غور ہیں۔

(۱)۔ طبقۂ شرفا میں جو بالغہ اور قابل ازدواج لڑکیوں کو بیاہ شادیوں کی تقریبوں میں نہ لے جانے کا عام دستور ہے اُس کو بند کرکے اُن کو اپنی بہنوں اور ماؤں کے ہمراہ ان تقریبات میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔ اس سے تین فایدہ ہوں گے اول یہ کہ کنبہ اور برادری کی عورتیں اُس لڑکی کو دیکھ کر اور بات چیت کرکر اُس کی صورت و سیرۃ کی نسبت

ٹھیک رائے قایم کرسکینگی اور جس لڑکے سے اُس کا رشتہ قرار پائے اُس کو اُس لڑکی کے حالات زیادہ وضاحت اور صحت اور وثوق سے معلوم ہوسکینگے۔ دوم یہ کہ لڑکی کے والدین لڑکی کی تربیت میں خاص کوشش کیا کرینگے اور اُس کی حرکات و سکنات میں کوئی ایسا امر پیدا نہ ہونے دینگے جو اور بیبیوں کی نظر میں قابل اعتراض ہو۔ سوم لڑکیوں کی صورت شکل یا سیرۃ میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں جن کو اُن کے والدین مخفی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعد نکاح وہ امور ظاہر ہو کر باعث ناموافقت زوجین ہوتے ہیں۔ اُن کے اول ہی ظاہر ہو جانے سے بعد کی خرابیوں کا انسداد ہو جائیگا۔ ماں باپ کا یہ نہایت ہی غلط خیال ہے کہ کسی طرح لڑکی کا جھوٹی سچی باتیں بنا کر نکاح ہو جائے۔ پھر میاں بی بی کو جب آپس میں رہنا سہنا ہوگا آپ ہی موافقت ہو جائیگی۔ یہ خیال اکثر صورتوں میں نوجوان بیٹوں کی ضد اور رہٹ کا موجب اور خاندانی تنازعات کا مورث ہوتا ہے ؁

۴۔ لڑکی والوں کو مناسب ہے کہ جس کنبہ میں ان کی لڑکی کی بات چیت ہونے والی ہو اُن کے ہاں کی بیبیوں کو اپنے ہاں بُلانے اور لڑکی کو اُن کے روبرو ہونے دینے اور چند چند روز اپنے ہاں بطور مہمان ٹھیرانے اور لڑکی کی عادات سے واقفیت پیدا کرنے کا دستور نکالا جائے۔ یہ زیادہ مکمل صورت پہلی ترمیم کی ہے۔ مگر ایسی ملاقاتوں میں جب تک بات پختہ نہ ہو جائے اور لڑکے کو صحیح صحیح بلا مبالغہ حالات بتا کر پوری پوری رضامندی نہ لے لی جائے تب تک رشتہ کا زبانی ذکر نہیں آنا چاہئے تاکہ بصورت اس امر کے کہ لڑکا انکار کرے لڑکی والوں کو سُبکی اور ندامت نہ ہو۔ یہ ملاقاتیں معمولی محبت کی ملاقاتیں ہوں اور اُن کے عمل میں

آنے کے واسطے بہتیرے موقع پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ کچھ بھی موقع نہ ہو تو مجلس مولود ایسی چیز ہے جس کے لئے ہر مسلمان کو اپنے احباب کو جمع کرنا آسان ہے ؛

۳۔ اگر لڑکی لکھی پڑھی ہو تو اُس کے ہاتھ کی نستعلیق تحریر لڑکے کو دکھانی بالکل بےعیب اور کسی طرح نامناسب نہیں ہے ؛

۴۔ اگر بلحاظ موقع مکان یا حالت آمد و رفت یا دیگر حالات کے ایسا موقع ملنا ممکن ہو کہ لڑکا لڑکی پر ایسی حالت میں کہ لڑکی کو معلوم نہ ہو سرسری نظر ڈال سکے تو لڑکی کے والدین کو دیدہ و دانستہ اغماض کرنا بلکہ ایسا موقع پیدا کرنے میں مدد دینا چاہیئے۔ ہم پردہ کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ شرع نے پردہ کہاں تک لازم ٹھیرایا ہے اور خصوصاً کسی شخص کا کسی عورت کو بارادہ نکاح دیکھنا شرعاً نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ پس والدین اگر اس قدر بھی جائز رکھیں تو کوئی شرعاً ممانعت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ رواج اس قدر اس کے مخالف ہے کہ اُس کو یک لخت توڑنا ناممکن ہے تو اُس کے لئے فی الحال اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا کہ غیر صریح طور پر اُس کو قریب قریب شرعی طریق کے لاویں اور والدین اُس سے اغماض و تجاہل کریں۔ اس تجویز کی ضرور لوگ مخالفت کرینگے مگر ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہماری سب تجویزوں میں سب سے اعلےٰ اور اہم یہ ہی ہے اور اگر اس پر عملدرآمد ہوگا تو نہ صرف تمام خرابیوں کی جڑ کٹ جائیگی بلکہ نکاح اپنی اصلی صورت شرعی پر آجائیگا جیسی شارع علیہ السلام نے تجویز فرمائی ؛

۵۔ جو لوگ اپنے گھروں میں بطور تفریح (فوٹو یعنی) تصویر عکسی کا سامان رکھتے ہیں

اور اُنھوں نے اس فن میں مہارت پیدا کی ہے اور اس فن کی تکمیل کو جایز رکھتے ہوں وہ ایسے حالات میں تصویر سے بھی مدد دے سکتے ہیں۔ میرا یہ منشا نہیں ہے کہ لڑکی کا باپ داماد ہونے والے لڑکے کو بُلا کر اپنی بیٹی کی تصویر دے بلکہ وہ ہی طریق اغماض اختیار کیا جائے۔ یعنے وہ کسی رشتہ دار کے ذریعہ سے لڑکے تک پہنچا دے۔ مجھے امید ہے کہ یہ طریق لحاظ کے قایم رکھنے اور مطلب کے باحسن الوجوہ حاصل ہونے میں بہت مدد دیگا۔ رفتہ رفتہ خود ایسے اشخاص پیدا ہوجائینگے جو اس شرعی حکم میں سہولت پیدا کرنا موجب شرم نہ سمجھینگے +

۶۔ لڑکی کو بھی اسی طرح لڑکے کے حالات معلوم کرنے اور لڑکے کی اس طرح صورت دکھا دینے میں کہ لڑکے کو خبر نہ ہو مدد دیں اور یہ کام ہمعمر لڑکیوں اور رشتہ کی بہنوں کے ذریعہ سے لئے جائیں۔ اور کوشش کی جائے کہ لڑکی کا اظہار رضامندی کسی قسم کے جبر یا شرم یا لحاظ یا بخوف ناخوشی والدین تو نہیں ہوا +

۷۔ لڑکے کے چال چلن کو بخوبی دیکھنا چاہئے۔ کہ لڑکی کی آیندہ خوشی ناخوشی زیادہ تر اسی پر منحصر ہے اس کی پرتال کے لئے ان امور پر نظر کرنی چاہئے۔

(۱) لڑکے کے والد و دیگر اقرباء ذکور کا چال چلن کیسا ہے +

(۲) لڑکے کے صحبتی کیسے لوگ ہیں +

(۳) لڑکا تعلیم یافتہ ہے تو کس قسم کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہے +

(۴) لڑکے کا عام مشغلہ کیا ہے +

(۵) شہرت عامہ لڑکے کے چال چلن کی مدرسہ اور محلہ وغیرہ میں کیاہے +

(۶) دیگر مستورات خاندان کے ہمراہ اُس کا سلوک کیسا ہے ۔

ان امور پر ذرا سی توجہ کرنے سے سب حال آئینہ ہوسکتا ہے چنانچہ ان امور کی تھوڑی سی تشریح ضروری ہے ۔

(۱) بعض خاندانوں میں موروثی رسم ازدواج ثانی کی چلی آتی ہے اور سب مرد دو دو بیبیاں رکھتے ہیں ایسی صورت میں ہر فرد کی نسبت یہی قیاس ہوگا بجز اس کے کہ قراین قوی اس کے خلاف ہوں۔ اس واسطے باپ و دیگر رشتہ داران کا چال چلن ملاحظہ کرنا ضرور ہے ۔

(۲) چونکہ ہر شخص اپنے ہمخیال کی صحبت پسند کرتا ہے پس دوستوں کے چال اور خیالات سے قریبًا صحیح پتہ لڑکے کے چال چلن کا لگ جائیگا ۔

(۳) اسی طرح کتابوں سے چال چلن کا پتہ بخوبی لگ جائیگا۔ آیا اخلاق اور تصوف اور دینداری کی کتابیں پڑھتا رہتا ہے یا ناپاک ناول پسند خاطر ہیں ۔

(۴) دن رات کے مشاغل سے بہت کچھ حال لڑکے کا کھُل جاتا ہے۔ بعض لڑکے اپنے اوقات کبوتر بازی میں صرف کرتے ہیں۔ بعض دن بھر کنکوے بناتے اور مانجھا تیار کیتے رہتے ہیں بعض شطرنج کی بازی جمائے رہتے ہیں ۔

(۵) چونکہ اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا سب کہا کرتے ہیں اس واسطے عام شہرت سے بھی بہت حال کھُل سکتا ہے ۔

(۶) عام مستورات کے ساتھ سلوک دیکھنا بہت ضروری امر ہے۔ بعض لڑکے باوجود نیک چلن اور خوش وضع اور تعلیم یافتہ ہونے کے مستورات کی طرف سے قدرتی بے توجہی رکھتے ہیں۔ اگر

ماں بیمار ہوجائے تو اُن کی بلا سے۔ اور بہن پر مصیبت ہو تو اُن کی جوتی سے۔ ایسے نوجوانوں کو اکثر دیکھا ہے کہ متاہل ہوکر بیوی کے ساتھ کوئی گہری الفت نہیں رکھتے۔ اور اُن کی بیویاں ہمیشہ اُن کے روکھے پن اور بے رُخی کی شاکی پائی جاتی ہیں۔

۸۔ قبل از منظوری رشتہ لڑکی والوں کو چاہئے کہ لڑکے کے ذریعۂ معاش کی بابت قطعی یقین حاصل کرلیں۔ آجکل فی زمانا ذرائع معاش بہت محدود ہوگئے ہیں اور ماں باپ صرف اپنا چاؤ پورا کرنے کے لئے قرض لے لے کر شادیاں کردیتے ہیں۔ چونکہ لڑکا کوئی مستقل صورت گذارہ نہیں رکھتا اس لئے کئی طرح کی خرابیاں ظہور میں آتی ہیں۔ اوّل تو بیاہ کی خوشیاں چند روز میں ختم ہوجاتی ہیں اور دولھن پُرانی ہوجاتی ہے۔ اور کنبہ میں ایک آدمی کا خرچ بڑھ جانے کی وجہ سے یہ بوجھ صاف محسوس ہونے لگتا ہے جو بالطبع ناگوار ہوتا ہے۔ لڑکے کا بیکار رہنا جو پہلے والدین کے دل پر چنداں بار نہ تھا اب خاص طور پر موثر ہوکر بیٹے اور بہو سے نامعلوم نفرت پیدا کرنے لگتا ہے۔ دوم یہ امر کہ کچھ عرصہ گذر جانے سے اور پُرانی ہوجانے سے دولھن کی دیگر مرومان خانہ کے ساتھ خوراک پوشاک میں مساوات ہوجاتی ہے دولھا اور دولھن کے لئے رنجدہ رہتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کا امتیاز قایم رہے۔ سوم۔ بعض اوقات والدین لڑکے پر شبہ کرتے ہیں کہ وہ اُن سے گذارہ لے کر اپنی سُسرال کو دے دیتا ہے۔ یہ خرابیاں ایسے شدید درجہ کو پہنچ جاتی ہیں کہ بعض وقت اُن کے بد نتائج تمام عمر بلکہ پشتہا پشت تک ورثتاً چلے جاتے ہیں۔ پس ان کے انسداد کے لئے ضرور ہے کہ لڑکی والے لڑکے کے استقلال معاش کی نسبت اطمینان کئے بغیر ہرگز رشتہ قبول نہ

کریں۔ یہ اصلاح من وجہ والدین کو اِس طرف بھی راغب کریگی کہ وہ اُن کے لئے طریق حصول معاش کا فیصلہ کر دیں جو عموماً ہماری قوم میں نہیں کیا جاتا ؛

۹۔ تعین مقدار مہر میں بھی اصلاح ہونی ضرور ہے۔ عام دستور ہوگیا ہے کہ ادنےٰ ادنےٰ حیثیت کے لوگ بے حد مہر مقرر کرتے ہیں۔ بیس بیس چالیس چالیس ہزار روپیہ کا مہر اُن لوگوں کا ہے جن کی آمدنی پندرہ روپیہ ماہوار کی بھی نہیں۔ اس قدر کثیر التعداد مہر اس غلط فہمی پر مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کے خوف سے طلاق کی روک ہو۔ مگر اس تدبیر سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر شوہر کچھ مالی حیثیت نہیں رکھتا تو اُس کو ایسے کثیر التعداد مہر سے کچھ خوف نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر عدالت سے ڈگری پالینا نہ پانے کے برابر ہے۔ ہاں بیشک جو شوہر اچھی مالی حیثیت رکھتا ہے اُس کی نسبت یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ خوف ادائے مہر سے زوجہ کو طلاق نہ دے۔ مگر ایسے بزرگ بلا طلاق ہی بی بی کو اس قدر دق کرتے اور ستاتے ہیں کہ اُن مصائب سے طلاق سو درجہ اچھی ہے۔ معہذا مرنے سے پہلے جائداد کے فرضی ناجایز انتقال کر جاتے ہیں اور بیچاری بیوی مُنہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔ پس منع طلاق کے لئے بڑے مہر کا مقرر ہونا کچھ مفید نہیں ہوتا۔ پھر ان فرضی رقموں کے مقرر کرنے اور اس پر بحث و تکرار سے کیا فایدہ۔ ہاں رفع اندیشۂ طلاق بلکہ منع ازدواج ثانی کے لئے سب سے عمدہ ایک اور تدبیر ہے یعنے یہ کہ بروقت نکاح ایک معاہدہ تحریری منجانب شوہر عمل میں آنا چاہئے اور اُس میں وہ شرایط درج ہونی چاہئیں جو زوجہ کو منظور ہیں۔ مثلاً بصورت طلاق یا ازدواج ثانی ایک رقم کثیر بطور تاوان یا ہرجانہ مقرر کی جائے۔ اس طریق عمل کو ہم بہ نسبت زیادہ مہر

مقرر کرنے کے اس وجہ سے ترجیح دیتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اولاً بجو ٹوٹنے شرایط مقررہ کے
زوجہ کو حق نالش حاصل ہو سکتا ہے۔ اور مہر زیادہ ہونے میں شوہر کے ازدواج ثانی سے زوجہ
کو یہ حق حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ صرف طلاق سے یا بعد موت شوہر یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ ثانیاً
شوہر کو بھی یہ فایدہ ہوتا ہے کہ اگر اُس کا سلوک اپنی بیوی کے ہمراہ درست ہے تو کوئی نطرہ
منجانب والدین زوجہ نہیں رہتا۔ مہر زیادہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات بعض
بے غیرت اشخاص داماد وں پر ترکۂ دختری کی نالش کرتے ہیں۔ اور اسی اندیشہ سے میاں
بیوی میں مہر کے معاف کرنے نہ کرنے کی تکرار رہتی ہے جس سے طبیعتوں میں فرق آجاتا
ہے۔ ہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ایسے معاہدوں کی بابت شریعت کا کیا حکم ہے۔ سو
مرد و عورت میں جو شرایط نکاح قرار پائیں شرعاً اُن کا ایفاء واجب ہے۔ اور درصورت عدم
ایفاء فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یہ حکم آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی سے بخوبی
ثابت ہے۔ سورۂ قصص کے ابتدا میں شعیب کا قصہ درج ہے جنھوں نے اپنی دختر کا نکاح

قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرًا فمن عندک وما ارید ان اشق علیک ستجدنی ان شاء اللہ من الصلحین قال ذلک بینی وبینک ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی واللہ علی

موسی سے اس شرط پر کیا تھا کہ وہ آٹھ برس تک اُن کی بکریاں چرائیں۔ موسی نے اس شرط کو تسلیم کیا اور ایفاء کیا۔ اگرچہ یہ حکایت انبیاء سابقین کی ہے الا اصول فقہ میں یہ بات بجائے خود تسلیم ہو چکی ہے کہ جب افعال انبیاء سابقین کا ذکر بلا رد و انکار ہو تو وہ مسلمانوں

مانقول وکیل ؒ القصص	کے لئے حجت شرعی بن سکتا ہے ✦

ابوداؤد میں ہے المسلمون علےٰ شروطھم یعنے اہل اسلام اپنی شرطوں پر قایم رہتے ہیں۔ ترمذی نے بھی اور طریق سے اس روایت کو لیا ہے اور اُس میں اس قدر فقرہ زیادہ ہے الاشرطاحرم حلالا او احل حراما۔ یعنے مسلمان کو اپنی شرط پوری کرنی چاہئے لیکن اگر کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کرنے کی شرط کی ہو تو پھر اُس کا پورا کرنا لازم نہیں۔ مگر سب سے صریح وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں آئی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں کہ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ جن شرطوں کے ساتھ شرمگاہ حلال کی جائے اُن شرطوں کو پورا کیا جائے۔

احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج

فتح الباری میں ہے کہ عبدالرحمن بن غنم روایت کرتے ہیں کہ میں عمر کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھا تھا کہ کوئی شخص آیا اور بولا کہ اے امیرالمومنین میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور یہ شرط کر لی تھی کہ تجھ کو تیرے گھر سے کہیں نہ لے جاؤنگا اور اب میں اُس کو فلانی جگہ لے جانا چاہتا ہوں۔ عمر نے جواب دیا کہ تجھ کو اپنی شرط پوری کرنی پڑیگی۔ اس پر وہ شخص یوں بولا کہ بس مرد تو گئے گذرے۔ جو عورت

قال کنت مع عمر حیث تمس رکبتی رکبته فجاء رجل فقال یا امیرالمؤمنین تزوجت امراۃ وشرطت لها دارها وان اجمع لامری اولشانی ان انتقل الی ارضی کذا وکذا۔ فقال لها شرطها فقال الرجل هلك الرجل اذ لا تشاء امراۃ ان تطلق زوجها الا طلقت فقال عمر المسلمون علی شروطهم

فتح الباری ۱۲

چاہیگی اپنے خصم کو طلاق دے دیا کریگی۔ عمرؓ نے کہا کہ مسلمانوں کی شرایط ضرور پوری کی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابی اور تابعی اور ائمہ یہی مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کے نام نامی یہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق۔ عمر بن العاص۔ طاؤس۔ ابو الشعثاء۔ امام شافعی۔ امام احمد۔ اوزاعی۔ اسحاق وغیرہ ائمہ حدیث امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر زوجہ سے یہ شرط کرے کہ میں تیرے ہوتے نکاح ثانی نہ کرونگا تو اس شرط کا ایفاء ضروری ہے اگر یہ شرط پوری نہ ہوگی تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ لایحل ان تنکح امراۃ بطلاق اخری۔ یعنے اس طرح کا نکاح جایز نہیں کہ ایک عورت یہ شرط کرے کہ اگر تو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے تب میں نکاح کرتی ہوں۔ چونکہ اوپر کے اقوال سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ شرط ٹھیرانی جایز ہے کہ شوہر نکاح ثانی نہ کرے اس واسطے بعض علما نے یہ اعتراض پیش کیا ہے کہ ازدواج ثانی کے نہ کرنے کی شرط اور زوجہ ثانی کے طلاق دینے کی شرط میں کیا فرق ہے کہ وہ جایز ہے اور یہ ناجایز۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طلاق کی شرط میں پہلی بیوی کی دل آزاری اور دلشکنی اور خانہ بربادی اور دشمنوں کی خوشی مقصود ہے اور ازدواج ثانی نہ کرنے کی شرط میں یہ خرابیاں نہیں ہیں کیونکہ وہاں زوجہ ثانی کا وجود ہی نہیں۔ پس ان دونو صورتوں میں زمین آسمان

واختلف فی شرط ان یتزوج علیہا واوجب احمد وغیرہ الوفاء بہ ومتے لم یف بہ فلہا الفسخ عند احمد زاد المعاد

فان قیل فما الفرق بین شرط الطلاق و بین اشتراطہا ان لا یتزوج علیہا حتے صححتم ہذا وبطلتم شرط طلاق الضرۃ قیل الفرق بینہما ان فی اشتراط طلاق

الزوجة من الاضرار بها وکسر قلبها و خراب بیتها و شماتة اعدائها ما لیس فی اشتراط عدم نکاحها و انکاح غیرها و قد فرق النص بینهما فقیاس احدهما علی الاخر فاسد۔ زاد المعاد

کا فرق ہے۔ پس جب ائمہ اہل اسلام ایسے شروط کو جائز رکھتے ہیں تو بجائے بڑے بڑے مہروں کے ایسی شرایط و نیز تاوان مقرر کرنے کی شرایط سے حقوق نسوان کی حفاظت اولے والنسب ہے ❖

مہر کے باب میں یہ ایک نہایت موثر اصلاح ہوسکتی ہے کہ تمام مہر معجل قرار پایا کرے۔ اس سے کئی فایدہ حاصل ہونگے۔ اول تو بی بی کی قدر زیادہ ہوجائیگی۔ کیونکہ اُس کا حصول محض فرضی رقوم کی زبانی جھوٹے اقرار پر نہ رہیگا۔ جھوٹا اقرار اس کو ہم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اقرار نہ کبھی پورا ہوتا ہے اور نہ پورا ہوسکتا ہے۔ دوم۔ ماں باپ جو بے مقدور ہوتے ہیں اور قرض وام لے کر اولاد کا نکاح کردینا غلطی سے اپنا فرض سمجھتے ہیں اس ناعاقبت اندیشی سے باز رہینگے۔ سوم بصورت بیکاری شوہر دولھن کو جو ساس سسرے خرچ سے تکلیف دیتے ہیں اس قاعدہ کے مقرر کرنے سے وہ تکلیف ہلکی ہوجائیگی ❖ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو مہر اس طرح پر ادا کیا جائے اُسے ماں باپ کسی بنک یا کسی اور ذریعہ آمدنی میں لگا دیں۔ اور وہ مہر اور اُس کا انتفاع سب خاص عورت کی ملکیت کے طور پر جمع رہے اور اُس کی حفاظت کی ایسی تدابیر کی جائیں کہ شوہر یا کوئی اور شخص سوائے اُس عورت کے اُس سے انتفاع حاصل نہ کرسکے بجز اُس صورت کے کہ زوجہ خود اپنے شوہر پر اعتماد کرکے کوئی دوسرا طریق اختیار کرے۔ مہر کی تعداد کسی حالت میں جب فریقین کی حیثیت مالی اجازت دے تو قلیل نہیں ہونی چاہئے۔ یہ بھی ایک

عام غلطی ہے کہ لوگوں نے ایک قلیل حقیر مقدار کو شرعی مہر سمجھا ہوا ہے۔ اس مہر کو بجائے شرعی مہر کے نبوی مہر کہیں تو بجا ہے یعنے یہ وہ مقدار ہے جو رسول خدا صلعم نے اپنی ازواج مطہرہ کی مقرر کی یا اپنی بیٹیوں کے لئے مقرر کرایا مگر آپ نے کوئی حکم امت کو اُس قدر مہر کے مقرر کرنے کا نہیں دیا۔ رسول خدا صلعم اور اُن کے دامادوں کے اخلاق ایسی اعلےٰ درجہ کی روحانیت اور تقدس پر پہنچے ہوئے تھے کہ اُن سے بہتر اخلاق اور نیک دلی اور حسن معاشرت کا خیال پیدا ہونا مشکل ہے۔ جو لوگ اپنے دامادوں سے اپنی بیٹیوں کے ہمراہ ایسے نیک سلوک کی امید رکھ سکتے ہیں جیسی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے کرتے تھے وہ بے شک ایسے قلیل مہر کو اپنی اولاد کے حقوق کی حفاظت کے لئے کافی سمجھیں۔ مگر خیالات و چال چلن شیطانی رکھنا اور سنت نبوی کی پیروی کا دعوے کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا؛

خود خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں جہاں طلاق کا ذکر فرمایا ہے وہاں فرمایا کہ اگر تم نے عورتوں کو مہر میں بے شمار خزانہ بھی دیا ہو تو بعد طلاق تم اُن سے کچھ واپس لینے کا حق نہیں رکھتے۔ پس ظاہر ہوا کہ کثیر التعداد مہر مقرر کرنا خلاف شرع یا مرضی الٰہی نہیں ہے۔ ہم جو کثیر التعداد مہر کے مخالف ہیں تو اُس قسم کی فرضی کثیر التعداد مہر کے مخالف ہیں جو بلحاظ اپنی حیثیت کے ناقابل الادا ہو۔ ورنہ کثیر التعداد مہر جو بلحاظ مالی حالت شوہر قابل ادا ہو اور بطور مہر معجل بر وقت نکاح ادا کر دیا جاے تو وہ کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ ہاں بہرحال کوئی پیمانہ ضرور ہونا چاہیئے جس کے مطابق بلحاظ کمی بیشی جائداد یا آمدنی شوہر مہر

حیث قال اللہ تعالیٰ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدٰھن قنطارًا فلا تاخذوا منہ شیئًا ؏ النساء

کم وبیش مقرر کیا جایا کرے۔ اور اُس پیمانہ کے روسے بآسانی تشخیص مہر ہوجایا کرے اور وہ اختلاف پیدا نہ ہوا کرے جس کی وجہ سے اکثر رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور شوہر و زوجہ میں کشیدگی آجاتی ہے۔ ہماری دانست میں مہر معجل بقدر دہم حصہ جائداد شوہر مشخص ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر شوہر کوئی جائداد نہ رکھتا ہو بلکہ ملازمت پیشہ اور تنخواہ دار ہو تو تین سال کی تنخواہ مہر قرار پانا چاہئے اور ہر ماہ میں بوضع چہارم یا پنجم حصہ تنخواہ مہر ادا ہوتا رہے۔ شرعی حصص ورثا کے جو قائم کئے گئے ہیں وہ اُس حالت میں بہت ہی موزوں ہیں جب سب ورثہ ایک ہی قسم کی زندگی بلحاظ آسودگی بسر کرتے ہوں۔ لیکن جب افراد میں مختلف درجہ کا تمول پایا جاتا ہو تو اُن کو شرعی حصص پر چھوڑنا کسی کی حالت میں بیرحمی ہوگی اور کسی کے ساتھ بے ضرورت فیاضی۔ ایسے حالات میں ہبہ کے قاعدہ سے ستفید ہونا چاہئے۔ اور جس شخص کو جو کچھ دینا منظور ہو اُس کو اپنی زندگی میں دے دیا جائے۔ شرعی حصص بظاہر ایسی مجبوری کے حالات سے متعلق ہیں کہ جب کوئی شخص ہبہ یا وصیت کے قوانین سے ستفید نہ ہو۔ ایسی ناعاقبت اندیشی کی حالت میں ضرور شرعی حصص میں تقسیم ہوکر اُس کی جائداد کی تکابوٹی ہوگی۔ لیکن کوئی سی صورت اختیار کی جائے خواہ زندگی میں اپنے مال و املاک کا انتظام کردیا جائے۔ خواہ بعد موت بذریعہ حصص شرعی تکابوٹی ہونے کے لئے چھوڑا جائے بیوی کے حق کو کوئی گزند نہیں پہنچیگا کیونکہ ان حصص کے روسے بھی اُس کو کم از کم ہشتم حصہ ہاتھ آئیگا اور بعض حالات میں چہارم اور یہ حصے اور مہر معجل مل کر ایک معقول رقم بنتی ہے۔ یہ حصہ ہر حالت میں ہر بیوی کو ملنا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ بلحاظ حسن معاشرت ہر بیوی اپنے شوہر کے حسن سلوک کی

متوقع رہیگی۔ یہ حسن سلوک بہت سے امور پر مبنی ہو سکتا ہے۔ مثلاً

(۱) حُسن انتظام خانہ داری

(۲) محبت و دلداری شوہر

(۳) تربیت اولاد و تعلیم

(۴) سلوک ہمراہ اولاد سابق اگر شوہر رکھتا ہو

(۵) اقرار در بارہ عدم ازدواج ثانی بعد موت شوہر

۱۰۔ نکاح کے متعلق ایک اور اصلاح بھی ضروری اور بہت مفید معلوم ہوتی ہے۔ حال کے دستور کے موافق والدین اپنی بیٹی کو جہیز میں بہت سی پتیلیاں اور لوٹے اور چمچے اور کٹورے اور بہت سی خاک بَلا دیتے ہیں۔ بعض والدین نہ صرف برتنوں پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ ہگنے موتنے کا سامان بھی مثلاً چوکی طشت وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ بے شمار کپڑوں کے جوڑے سلے سلائے جن میں پاجامے۔ کُرتیاں۔ دوپٹے وغیرہ سب کچھ ہوتے ہیں کئی سال کا سامان پہلے سے تیار کر دیتے ہیں اور جس طرح برتنوں میں چوکی اور طشت تک نوبت پہنچتی ہے ان میں رومال۔ کمر بند۔ موباف بٹوے۔ تِلے دانیوں اور کنگھی تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ پارچات قطع نظر اِس امر کے کہ وہ پہننے والی کو پسند یا مرغوب ہونگے یا نہیں اس وجہ سے بنانے فضول ہیں کہ پارچات ہمیشہ نئے نئے انواع و اقسام کے آتے اور رہتے ہیں اور اُس وقت حسب دستور زمانہ خریدنے اور بنانے پڑتے ہیں۔ ہماری رائے میں چند نفیس جوڑوں اور چند ضروری ظروف کا دینا کافی ہوگا اور باقی جہیز کے عوض نقد روپیہ

یا اُس کے عوض کوئی جائداد مثلاً اراضی زرعی یا کوئی جائداد سکنی یا گورنمنٹ پرامیسری نوٹ یا جو بلحاظ حیثیت مناسب ہو دینا مفید ہوگا*

ہم نے انتخاب شوہر و زوجہ کے ساتھ ہی تعین مہر کا ذکر کیا ہے۔ اِس کی یہ وجہ ہے کہ ہماری دانست میں مہر کا تعین اسی مرحلہ پر طے ہونا چاہئے۔ ورنہ بسا اوقات تعین مہر کے جھگڑے میں بنی بنائی بات بگڑ جاتی ہے۔ دو خاندانوں میں سخت رنج پیدا ہوجاتا ہے۔ تمام بارات بھوکی اور قاضی منتظر نکاح پڑھنے کا رہتا ہے۔ رات کے دو دو بج جاتے ہیں اور مہر کا جھگڑا طے نہیں ہوتا۔ ان نزاعات کو رفع کرنے کے لئے ضرور ہے کہ خواستگاری کے وقت اِس امر کا فیصلہ ہوجایا کرے۔ جب انتخاب شوہر و زوجہ عمل میں آجاے۔ مہر معین ہو چکے تب اگر ضرورت معلوم ہو تو منگنی کی رسم ادا کی جاے۔ ورنہ فوراً نکاح عمل میں آے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منگنی کی نسبت بھی ہم کچھ لکھیں*

منگنی

ہمارے ہاں منگنی ایک ایسی رسم ہے کہ اگر اُس سے فائدہ اُٹھایا جاے تو بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اِس کے مفید ہونے کے لئے یہ امر ضرور ہے کہ بعد منگنی کے خاطب و مخطوبہ کو اجازت باہمی خط و کتابت کی دی جاے باوجود اجازت کے لڑکی کو ایسے خطوط بہت لحاظ اور حیا اور کسی قدر پردہ کے ساتھ لینے ہونگے۔ گو اس امر کا علم سب خاندان کو ہو۔ اِس خط و کتابت سے فریقین کو ایک دوسرے کی مزاج شناسی کا موقع ملیگا۔ اور شادی سے پہلے

دونوں کے مزاج بہت قریب الاتحاد ہوجائینگے - اور گویا دونو ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی
تیاری کرلینگے۔ معمولی حالتوں میں دو بالکل غیر متجانسوں کو بلا تمہید یک لخت ملا دیا جاتا ہے -
اول تو مزاج سے محض ناواقف - دوسرے لڑکی پر شرم کا ایسا بیحد حملہ ہوتا ہے کہ نکاح جس کا
نام شادی یعنے خوشی تھا ایسی تقریب ہوجاتا ہے جس میں خصوصًا لڑکی کو بے آرامی اور تکلیف
اور تشویش کے سوا کوئی راحت نہیں ملتی - اور یہ بے آرامیاں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ اگر چوتھی کی
رسم نہ ہوتی جس سے لڑکی کو جلد ایک ذریعہ نجات کا مل جاتا ہے تو وہ سخت عذاب میں گرفتار
رہا کرتی +

منگنی کے ایام میں لڑکی اور لڑکے کے اقرباء میں جو خط وکتابت ہو وہ ضرور ہے کہ سچے
اخلاص اور محبت سے پُر اور یگانگت کے رنگ سے رنگین ہو - ہمارے ہاں منگنی کے ایام
میں جس قسم کی خط وکتابت ہوتی ہے ہم اُس کو سخت ناشائستہ تصوّر کرتے ہیں - یہ صحیح ہے کہ منگنی
سے پہلے دونو خاندان ایک دوسرے کے حال کی تفتیش بہت چھان بین کے ساتھ کرتے ہیں -
لیکن جب وہ مرحلہ طے ہوچکے اور یگانگت قائم ہوجاوے تو ایک دوسرے کی عیب جوئی - یا چھوٹائی
بڑائی کا فرق تو بڑی بات ہے کوئی امر ایسا بھی نہیں ہونا چاہیئے جو مغائرت پر دال ہو - ہمارے ہاں یہ بہت
معیوب بات ہے کہ ہر خاندان اپنی عزت کو دوسرے سے برتر ثابت کرنا چاہتا ہے - خصوصًا
لڑکی والے ہر تقریر اور ہر تحریر سے یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو اِس رشتہ کی چنداں ضرورت
نہ تھی - اور گو حقیقتہً لڑکی کی شادی کی اُن کو جلدی بھی ہو لیکن دوسرے فریق پر وہ اِس ضرورت
کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ بظاہر ٹلانا چاہتے ہیں - اور بار بار یہ بھی جتلاتے ہیں کہ رشتہ تو بھی اچھی

جگہ سے آئے تھے مگر تمہاری تقدیر یاور نکلی +

جس اصول پر یہ کارروائی ہوتی ہے اِس کا نام ہماری دانست میں بھاری بھرکم کا اصول ہے اِس اصول کے رو سے لڑکی والے باوجود اس کے کہ لڑکی کی عمر زیادہ ہوگئی ہے اور اُس کے لئے بیاہے جانے کی شدید ضرورت ہے ایسی لاپروائی سے رشتہ کا ذکر کرتے ہیں کہ گویا لڑکی ابھی قابل ازدواج ہی نہیں ہوئی اور گویا پچاس جگہ سے رشتہ آیا ہوا ہے۔ ایک لڑکی کا کسی خاندان میں رشتہ ہوا۔ لڑکی نہایت لائق اور لڑکا لیاقت کا نہایت قدردان۔ دونوں میں از حد دلی محبت ہوگئی۔ ممکن نہ تھا کہ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جاے تو یہ لڑکا لڑکی اپنا رشتہ کسی اور جگہ ہونا پسند کریں۔ تاہم ذری سی بات پر لڑکی کی بہن لڑکے والوں کو ہمیشہ یہ ہی کہا کرتی تھی کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ جہاں گُل ہے وہاں بلبلوں کا کال نہیں +

ہمیں ایک اور تعلیم یافتہ عورت کا خط ہاتھ لگا ہے جو اپنے کسی عزیز کے رشتہ کے بارہ میں اپنے خاندان کے بزرگ کو لکھتی ہے :۔

" قبلہ و کعبہ۔ بعد آداب کے عرض ہے کہ ننھی کے رشتہ کے لئے میں تین دفعہ پہلے لکھ چکی ہوں۔ یہ چوتھا خط ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی کہ منظوری کا خط جلدی بھیج دو۔ کہیں رشتہ ہاتھ سے نہ نکل جاے۔ لڑکی کو خیر سے اٹھارھواں سال شروع ہے۔ اتفاق سے رشتہ ایسی جگہ سے آیا ہے کہ گھر خاصہ آسودہ۔ لڑکا لائق۔ بیوی کا قدردان رتبہ شناس۔ نیک چلن۔ اور سب سے اچھی یہ بات کہ خود اُنہوں نے آرزو سے یہ رشتہ چاہا ہے۔ ہم نے گِر کر یہ رشتہ نہیں دیا بلکہ ہم اپنے گھر بھاری بھرکم رہے۔ اماں تو چاہتی ہیں کہ ایک آدھ دفعہ انکار کر دو۔ لیکن وہ

لوگ کچھ انگریزی خواں سے ہیں ان تکلفات کو نہیں جانتے۔ کہیں وہ ہمارے اس انکار کو سچا انکار ہی نہ سمجھ لیں اور چپ ہو بیٹھیں۔ پھر ہم کس منہ سے کہینگے کہ لو بیٹی لے لو اس لئے بہتر یہ ہے کہ رشتہ تو کچھ دبی ہوئی زبان سے منظور ہی کر لو۔ مگر ہاں شادی میں ذرا دیر لگانا اگرچہ لڑکی کی عمر زیادہ ہوگئی ہے اور دیر کا موقع نہیں لیکن ہم نے سُنا ہے کہ لڑکے والوں کو بھی بہت جلدی ہو رہی ہے۔ پس دو چار دفعہ کے ٹلانے سے ہمارا کچھ ہرج نہ ہوگا بلکہ ہماری عزت بڑھیگی اور اُنہیں معلوم ہو جائیگا کہ اُنہیں ہماری چنداں پروا نہیں ہے منظوری کا خط لکھو تو دو چار جگہ کے جھوٹے سچے رشتوں کا بھی ذکر کر دینا کہ فلاں فلاں جگہ سے پیغام آئے ہیں“۔ فقط

اِس خط میں بھاری بھرکم کے اصول کو خوب تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے بجائے ایسے خطوں کے جو دلوں میں فرق اور محبت میں کمی اور باہم مغائرت پیدا کرتے ہیں ایسے خاندانوں میں خطوط نہایت پُر لطف اور دل خوش کرنے والے ہونے چاہئیں اُس تحقیق و تفتیش کے بعد جو ابتداءً بیشک ضروری ہے اور جس کے اثناء میں بیشک عیب و صواب سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے پھر ہر دو فریق کی نظر میں دوسرا فریق اس رشتہ کے باب میں دنیا میں سب سے بہتر قرار پانا چاہئے ؀

ہمارے پاس دو طرح کے اَور دو خط ہیں جو نمونہ کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :۔

ایک خُسر کا خط اپنے داماد کو

لختِ جگر نورِ بصر۔ مودت نامہ مورخہ یکم ستمبر مجھے پرسوں ملا۔ جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا میں نے کئی بار شوق سے پڑھا۔ اور ہر بار لطف قندِ مکرر کا پایا۔ میں اللہ تعالےٰ کے انعام کا

کہاں تک شکر کروں کہ حق تعالےٰ نے باجابت دعاے سحری و نیم شبی فقیر بلا کسی تدبیر ظاہری کے میری بضعۂ عفیفہ کو ایسا شخص با محبت و اخلاق صادق الوداد عطا فرمایا۔ اللھم لک الحمد حمدا یوافی نعمک ویکافی مزید کرمک احمدک بجمیع محامدک ما علمت منہا و مالم اعلم وعلیٰ کل حال۔ آپ کو وہ مبارک ہو اور آپ اُس کو مبارک اور فقیر کو دونوں مبارک۔ جب ارادہ ازدواج ہو کم ازکم ایک مہینہ پیشتر اطلاع ہونی چاہئے کہ میں رخصت لے کر آؤں اور خود انصرام کار کروں۔

افسوس ہے کہ آپ کے مودت نامہ کے جواب میں بوجہ کثرت کار سرکاری دو روز کی دیر ہوگئی۔ اس وقت کہ وقت شب ہے چراغ کے روبرو آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ پروانے کثرت سے چراغ پر جان فدا کر رہے ہیں۔ صدہا پروانے میرے جسم پر لپٹے ہیں۔ لیکن میں اپنے چراغ پر پروانہ ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہمیشہ اس چراغ کو روشن اور تاباں رکھے آمین یا رب العالمین۔ مورخہ ۱۱ ستمبر

ایک اور خط

عزیز من۔ بعد دعاء آنکہ۔ گذشتہ مہینے میں تمہارا مفصل خط ۱۲۔۱۳ صفحہ کا میری نظر سے گذرا تھا۔ میں تمہارے باب میں بُرے خیالات نہیں رکھتا۔ نہ تمہاری درخواست کو نامناسب سمجھتا ہوں۔ میں مجملاً پہلے ظاہر کر چکا ہوں کہ میری دانست میں تمہاری تجویز کی مخالفت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ تمہاری علالت کا افسوس ہوا۔ میں خیریت سے ہوں۔ والدعا۔

رُسُوم تقریب نکاح

تقریب نکاح کے رسوم میں بھی دو تین اصلاحیں بہت ضروری معلوم ہوتی ہیں:۔

اوّل یہ کہ بارات میں چند عزیز و اقرباء یا دو چار دوستانِ مخلص کا جانا کافی ہے۔ کل کنبہ یا برادری کا لشکر جمع کر کے رتھیں اور بہلیاں اور گھوڑے لے جانا عجب بیہودگی ہے۔

دوم۔ بارات کے ساتھ لڑکے کا گھوڑے پر سوار ہونا اور باقی کل لوگوں کا اُس کے پیچھے پیچھے پیدل چلنا بھی لغو دستور ہے۔ ضرور ہے کہ سب ایک قسم کی سواری پر سوار ہوں یا سب کے سب پیدل ہوں۔ دولھا کا کسی قدر زیادہ زینت دار لباس اور پھولوں کے ہاروں سے متمیز ہونا کافی ہے مگر اُس کو پیروں کی طرح پشواز پہنانی جس کو جامہ کہتے ہیں سنت نبوی کو بدنما اور مکروہ صورت بنانا اور اُس کی عزت کو کھونا ہے۔

سوم۔ ضرور ہے کہ بارات کے آنے سے پہلے لڑکی والے اپنے گھر کو اپنے مقدور کے موافق آراستہ کریں۔ اُس کی آراستگی عمدہ روشنی اور شاداب پھول پتوں سے ہونی مناسب ہے جو سرسبزی اور تروتازگی اور شادکامی کی عمدہ علامات ہیں۔

چہارم۔ دولھن کو ایسے پردہ کے لباس میں جو اُس کے اقرباء مناسب سمجھیں عقدِ نکاح کے لئے مجلس نکاح میں شامل ہونا اور قاضی کے روبرو اُس عقد کی رضامندی کا اپنی زبان سے اظہار کرنا ضروری سمجھا جاے مناسب ہے کہ بعد عقد نکاح دولھا اور دولھن پر پھول برساے جائیں۔

پنجم۔ رخصت کے وقت دولھن کے ہمراہ اُس کے عزیزوں میں سے کسی مرد اور کسی قدر عورتوں کا جانا موجب اُس کے آرام و سہولت و اطمینان کا ہے سسرال میں پہنچ کر دولھن کا کمال حیاء و شرمگین نگاہ کے ساتھ اُترنا اور معتدل رفتار کے ساتھ چلنا اور سب

ملنا اور مودبانہ پیش آنا۔ ہر سوال کا معقول مختصر جواب دینا آدمیت کی باتیں ہیں نہ اندھا بھینسا بن جانا۔ دوسروں کے چلائے چلنا اور دوسروں کے اُٹھائے اُٹھنا۔ دولھن کے پاس ہر وقت بھیڑ کا رہنا بھی خوب نہیں بلکہ بیبیوں سے ملانے کا ایک وقت خاص چاہئے اور اُس کے علاوہ دولھن کو تنہائی میں بے تکلفی کے ساتھ آرام کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ چوتھی کی رسم صرف اِس غرض سے ہے کہ دولھن نئے گھر میں جانے کی وجہ سے اور رفاقوں سے گھبرا نہ جائے پس اگر اُس کے ایک دو عزیز اُس کے پاس ہوں اور اُس کو بے تکلفانہ رکھا جائے اور آدمیت کے طریق برتے جائیں تو ضرور نہ ہوگا کہ دوسرے روز ہی دولھن کے لوگ اُس کے لینے کو چڑھ آئیں۔ بلکہ ہفتہ عشرہ میں جب مناسب ہو دولھن کو بھیج دیا جائے مجھے امید ہے کہ اگر اِن اصلاحوں پر یا اِن کے قریب قریب اِسی قسم کی اِصلاحوں پر باضابطہ عملدرآمد ہو تو نکاح جیسا ذریعہ شادی وخوشی کا ہے ویسا ہی بن جائے اور ہزاروں گھرانے اِن اِصلاحوں کی بدولت خوش و خرّم ہوں۔ گھر کے لوگوں میں دلی محبت و یکجہتی پیدا ہو اور گروہ انسان سے ہزارہا رنج و غم دور ہوں۔

معاشرت زوجین

جب عورت کے حقوق کا بالکل مردوں کے حقوق کے مساوی ہونا ثابت ہو چکا۔ اور ایسی قسم کی تعلیم کی جو اُس کو مرد کا جلیس انیس بنانے کے لئے ضرور ہو تحقق ہو چکی اور سنّت نبوی علےٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کی دربارۂ نکاح معلوم ہو چکی تو معاشرت زوجین کی نسبت کچھ زیادہ کہنا فضول تھا کیونکہ جب عورت اور مرد خلقت میں یکساں ہیں تو ظاہر ہے کہ جو